ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

مارچ ۲۰۰۲ء

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

مخلوط انتخابات

اسلامی مملکت کے سربراہ کی معاشی ذمہ داریاں

قرآن کی رُو سے فرقہ بندی شرک ہے

جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

تحریک طلوع اسلام اور قرآنی نظام

THE STATUS OF HADITH

مجلّہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قُرآنی نظامِ ربُوبّیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

قیمت فی پرچہ
15/- روپے

خط و کتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵-بی گلبرگ ۲ لاہور ۵۴۶۶۰
ٹیلی فون: 5714546-5753666
idara@toluislam.com

بدل اشتراک
سالانہ
پاکستان -/170 روپے
غیر ممالک -/1000 روپے

Bank Account Number 3082-7 National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

جلد 55 | مارچ 2002ء | شمارہ نمبر 3

ایڈیٹر

محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

✵ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

✵ محترمہ شمیم انور

ڈسپیچ کلرک / اکاؤنٹینٹ ---- محمد زمرد بیگ

کمپوزر ---------- شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین ---------- ایاز حسین انصاری

ناظم ---------- محمد سلیم اختر

ناشر ---------- عطاء الرحمان ارائیں

قانونی مشیر

◉ عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ

◉ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

◉ اقبال ادریس ایڈووکیٹ

پرنٹرز: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ لاہور- فون: 7232584

فہرست

لمعات

مخلوط انتخابات	ادارہ	3
اسلامی مملکت کے سربراہ کی معاشری ذمہ داریاں	غلام احمد پرویزؒ	10
قرآن کی رُو سے فرقہ بندی شرک ہے	خواجہ ازہر عباس فاضل درسِ نظامی	25
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی	ڈاکٹر محمد اسلم نوید	44
تحریک طلوع اسلام اور قرآنی نظام	مرتبہ بزم طلوع اسلام لندن	47

ENGLISH SECTION

The Status of Hadith

Chapter 7 & 8

Translated by Aboo B.Rana 64

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

مخلوط انتخابات

(چیف ایگزیکٹو پاکستان اور ان کی کیبنٹ کی خصوصی توجہ کے لئے)

جو حضرات طلوع اسلام کے دور اول (1938ء) سے اس کا مطالعہ کرتے چلے آ رہے ہیں وہ اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ اس زمانہ میں ایک ہی مسئلہ تھا جس کے گرد ہمارے فکر و عمل کی پوری دنیا گردش کرتی تھی۔ وہ مسئلہ تھا متحدہ اور جداگانہ قومیت کا۔ ہندو (اور اس کے ہمنوا مسلمانوں) کا نظریہ یہ تھا کہ ہندوستان میں بسنے والے تمام لوگ ایک ہی قوم کے افراد ہیں، کیونکہ قومیت کا مدار وطن کا اشتراک ہے۔ اس کے برعکس جمہور مسلمانوں کا (جنہیں تحریک پاکستان کا داعی کہا جاتا تھا) دعویٰ یہ تھا کہ

بنا ہمارے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

اسلام میں قومیت کا مدار، وطن، رنگ، نسل، زبان وغیرہ کا اشتراک نہیں۔ بلکہ آئیڈیالوجی کا اشتراک ہے۔ جو لوگ اسلامی نظریۂ حیات پر ایمان رکھتے ہیں وہ ہندوستان (یا دنیا) کے کسی حصہ میں بستے ہوں ایک قوم کے افراد ہیں، اور ان کے برعکس جو لوگ کسی اور آئیڈیالوجی پر یقین رکھتے ہوں وہ دوسری قوم کے افراد۔ یہی بنیادی مسئلہ تھا جو وہاں مابہ النزاع تھا اور یہی وہ اصولی اور اساسی اختلاف تھا جس پر وہاں کی سیاست کی پوری عمارت استوار ہوئی تھی۔ یہی اختلاف ہمارے مطالبہ پاکستان کی بنیاد تھی اور قومیت کا یہی تصور ہمارے جداگانہ مملکت کے دعوے کی دلیل۔ ہمارے اس دعوے نے ساری دنیا کی نگاہوں کو ہماری طرف پھیر دیا تھا، اس لئے کہ ہمارا یہ معیارِ قومیت، باقی دنیا کے ہر مسلمہ مدارِ قومیت کے خلاف تھا۔ اسی اصل کی ایک اہم شاخ تھی جو مخلوط اور جداگانہ انتخاب کے سوال کی شکل میں بار بار سامنے آتی تھی۔ متحدہ قومیت کے حامیوں کا دعویٰ تھا کہ ہندوستان کا ہر باشندہ، بلا تخصیص مذہب و ملت، جسے چاہے اپنا نمائندہ منتخب کر لے۔ لیکن اس کے برعکس، مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے مدعیوں کا کہنا یہ تھا کہ یہ بات ''اصولاً'' غلط ہے کہ مسلمانوں کا نمائندہ کوئی غیر مسلم ہو۔ لہٰذا مسلمان رائے دہندگان صرف مسلمان امیدوار کو

ووٹ دے سکتے ہیں اور غیر مسلم، غیر مسلموں کو، گویا نظریہ قومیت کی عملی تعبیر، اس زمانے میں، مخلوط اور جداگانہ انتخاب کے سوال کی شکل میں سامنے آیا کرتی تھی۔

جداگانہ قومیت اور جداگانہ انتخاب کے ہمارے اس مطالبہ کا غیر مسلموں کے لئے وجہ تعجب ہونا تو چنداں مستبعد نہ تھا لیکن حیرت تھی کہ خود مسلمانوں کا ایک گروہ بھی اس کا مخالف تھا۔ اس گروہ میں کچھ لوگ تو ایسے تھے جو محض اپنے پیش نظر مفادات کی خاطر اس نظریہ کی مخالفت کرتے تھے لیکن بعض ایسے بھی تھے جن کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ مذہب کو قومیت سے کیا تعلق؟ اس لئے کہ صدیوں سے انہیں یہ بتایا جا رہا تھا کہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان نجی تعلق کا نام ہے اور اس سے مقصد ہے ''نجات'' حاصل کرنا۔ لہٰذا مذہب کو سیاست سے کیا واسطہ؟ یہ سعادت طلوع اسلام کے حصہ میں آئی تھی کہ وہ اول الذکر گروہ کی مفاد پرستیوں کے پردوں کو چاک کرے اور آخر الذکر طبقہ کو بدلائل و براہین سمجھائے کہ اسلام دنیا کے مذہب کی طرح ایک مذہب نہیں۔ یہ ایک ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے اور اس کی تعلیم کا نقطہ ماسکہ یہ ہے کہ یہ اپنی مخصوص آئیڈیالوجی کی بناء پر ایک جداگانہ ملت (قوم) کی تشکیل کرتا ہے۔

ہندوستان میں ہماری یہ جنگ قریب دس سال تک مسلسل جاری رہی۔ تا آنکہ 1947ء میں، انگریز اور ہندو دونوں نے ہمارے اس مطالبہ کو تسلیم کیا اور اس کا نتیجہ پاکستان کی جداگانہ مملکت کی شکل میں ہمارے سامنے آ گیا۔ فالحمدللہ علی ذالک۔ طلوع اسلام کے لئے یہ کامیابی صرف اس لئے وجہ صد مسرت نہ تھی کہ اس سے مسلمانان پاکستان کو ایک الگ سلطنت مل گئی بلکہ اس لئے کہ اس سے قرآن کا وہ انقلابی نظریہ، جسے اس نے چودہ سو سال پہلے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا لیکن اسے خود مسلمانوں نے بھی پس پشت ڈال رکھا تھا، ایک بار پھر، محسوس و مشہود انداز میں دنیا کے سامنے آ گیا اور نسل اور وطن کی خود ساختہ چار دیواریوں میں محبوس قوموں نے اپنی آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ کر لیا کہ آئیڈیالوجی کی بناء پر قومیت کی تشکیل اس طرح ہوا کرتی ہے۔

تشکیل پاکستان کے اس پس منظر میں آپ سوچئے کہ کیا کسی شخص کے حیطۂ قیاس و خیال و گمان و وہم میں بھی یہ بات آ سکتی تھی کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ اس پاکستان سے یہ آواز اٹھے گی اور اٹھے گی بھی انہی مسلمانوں کی طرف سے جنہوں نے جداگانہ قومیت اور جداگانہ انتخاب کے دعوے پر پاکستان کو حاصل کیا تھا کہ یہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کا مخلوط انتخاب ہونا چاہئے۔ لیکن ہماری بدبختی کا کیا علاج کہ آج اسی پاکستان میں یہ آواز اٹھ رہی ہے اور سنا یہ جا رہا ہے کہ اس کی کوشش ہو رہی ہے کہ اس ''اصول'' کو پاکستان کے زیر تدوین دستور کا جزو بنا دیا جائے۔ **یلیتنی مت قبل هذا و کمت نسیا منسیا** یہ ہے وہ حقیقت جو افسانہ سے بھی بڑھ کر تحیر انگیز ہے۔ یقین مانئے، ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ ان ذہنوں کے متعلق کیا کہا جائے جن میں مخلوط انتخاب کا یہ باطل افروز تصور پیدا ہوا، ان زبانوں کے متعلق کن الفاظ میں گفتگو کی جائے جنہوں نے اس اسلام سوز فتنے کو آگے پھیلایا اور ان ہاتھوں کا ذکر کس انداز سے کیا جائے جو اس زہر آلود خنجر کو سینۂ ملت میں پیوست کرنے کے

لئے یوں بے باکانہ اٹھ رہے ہیں!!

چہ گوئمت زمسلمانِ نا مسلمانے

کہ گرچہ پورِ خلیل است آزری داند

''مخلوط انتخاب'' کا سوال' اگرچہ بظاہر ایک معمولی سے مسئلہ اور معصوم سے سوال کی شکل میں سامنے لایا جارہا ہے' لیکن ان حقائق کی روشنی میں جن امور کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے یہ درحقیقت وطنیت کی بناء پر مسلم وغیر مسلم کے امتزاج کا وہ تخمِ خبیث ہے جس سے متحدہ قومیت کا شجرِ زقوم پیدا ہوگا۔ وہی جہنمی پیڑ جسے اسلام نے جڑوں سے اکھیڑ کر پھینکا تھا اور جس کی شاخوں اور پتوں کو ہم نے تحریک پاکستان کے دوران گنگا کی لہروں میں بہا دیا تھا۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ گنگا کی لہریں اسے خلیج بنگال میں لے جائیں گی اور اسے وہاں سے لاکر پھر حریم کعبہ میں گاڑنے کی کوششیں کی جائیں گی۔

جن لوگوں کے سامنے اپنے ذاتی مفاد یا سیاسی مصالح ہیں اور یہ بھی درحقیقت ذاتی مفاد ہی کا دوسرا نام ہے' ان سے تو ہمیں کچھ کلام نہیں۔ لیکن جن لوگوں کے دل میں اسلام کی تعلیم کا کچھ بھی احترام اور خدا اور رسولؐ کے فرمودات کا کچھ بھی پاس ہے ہم ان سے گذارش کریں گے کہ وہ غور کریں کہ وحی کی رو سے جو دعوت شروع سے اخیر تک آتی رہی' اس کا اصل الاصول اور قدرِ مشترک کیا تھی؟ آپ کو یہ حقیقت قرآن کے ایک ایک صفحہ پر ثبت نظر آئے گی کہ یہ قدر مشترک یہ تھی کہ حضرات انبیاء کرامؑ اپنی آسمانی تعلیم (آئیڈیالوجی) کی بناء پر ایک الگ جماعت کی تشکیل کرتے تھے۔ یہ حضرات اپنی اپنی قوم کی طرف آتے۔ اپنے اہل وطن (اور بیشتر حالات میں خود اپنی برادری' خاندان اور اعزہ واقربا) تک اپنی دعوت پہنچاتے۔ ان میں جو لوگ اس دعوت کو قبول کرتے وہ ایک جداگانہ امت کے افراد قرار پاتے۔ جو اس سے انکار کرتے وہ' وطن' نسل' زبان' خاندان' برادری' قرابت کے اشتراک کے باوجود' ایک جداگانہ قوم کے افراد بن جاتے۔ (جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے) اس اصولی نظریہ قومیت کی بنیاد' روزِ اول ہی سے رکھ دی گئی تھی جب حضرت نوحؑ سے کہا گیا تھا کہ تیرا بیٹا بیشک (Biologically) تیرا بیٹا ہے' لیکن چونکہ وہ دعوتِ خداوندی کو قبول کر کے تمہاری جماعت میں شامل نہیں ہوا' اس لئے وہ تمہارے ''اہل'' میں سے نہیں ہوسکتا (11:46)۔ اسی حقیقت کا اعلان تھا جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے ان الفاظ میں کہا کہ جب تک تم خدا پر ایمان نہیں لاتے' میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں رہ سکتا (60:4)۔ یہی وہ اصول تھا جس کی بناء پر حضرت لوطؑ کی بیوی کا شمار غیروں میں ہوگیا (7:63)۔ لیکن فرعون کی مومنہ بیوی کا ذکر ''اپنوں'' کی طرح کیا گیا (66:11)۔ اسی قانون کی رو سے' قارون (بنی اسرائیل کا ہم قوم ہونے کے باوجود) غیر کہلایا (28:76)۔ یہی وہ آسمانی تعلیم تھی جس کا مکمل مظاہرہ نبی اکرمؐ کے عہد ہمایوں میں اس طرح ہوا کہ روم کا صہیبؓ۔ فارس کا سلمانؓ۔ حبش کا بلالؓ۔ یعنی غیر ملکوں اور دوسری قوموں کے افراد تو رسول اللہؐ کی ''اپنی قوم کے جزو بن گئے۔ لیکن مکہ کے ابوجہل اور ابولہب' کا شمار غیروں اور بیگانوں میں ہوگیا۔ حالانکہ ان سے صرف اشتراکِ وطن ہی کا تعلق نہیں تھا' اشتراک

خون کا بھی تعلق تھا۔ یہاں تک کہ بدر کی لڑائی میں رسولؐ اللہ کے چچا' عباسؓ اور داماد ابوالعاصؓ تک بھی صف مقابل میں کھڑے تھے۔ رسولؐ اللہ نے ایک مملکت بنائی اور ایک حکومت قائم کی تھی۔ آپ غور کیجئے کہ کیا اس مملکت کے ارباب حل وعقد میں کوئی ایک غیر مسلم بھی شریک تھا اور اس حکومت کے کارپردازان کے انتخاب میں ان میں سے کسی کو بھی ووٹ دینے کا حق حاصل تھا؟ کیا خلفائے راشدینؓ "مخلوط انتخاب" کی رو سے منتخب ہوئے تھے اور کیا مدینہ کی پارلیمان (مجلس شوریٰ) میں غیر مسلم بھی شریک ہوا کرتے تھے؟ قرآن نے اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کی پوزیشن کو اس قدر واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے جس کے لئے کسی تشریح وتفسیر کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اس نے کہا ہے کہ ان غیر مسلموں کی جان' مال' عزت' عصمت' حتیٰ کہ ان کی عبادت گاہوں تک کی حفاظت مسلمانوں کے ذمے ہے' وہ ہر قسم کے نیک سلوک اور عمدہ برتاؤ کے مستحق ہیں۔ نوع انسانی کے افراد ہونے کی جہت سے' ان کی پرورش اور نشوونما' اسلامی معاشرہ کا فریضہ ہے۔ وہ ان تمام حقوق کے حقدار ہیں جو اسلام کی رو سے ایک انسان کو حاصل ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتا دیا کہ چونکہ تمہارا نظام مملکت ایک مخصوص آئیڈیالوجی پر مبنی ہے۔ اس لئے یہ لوگ جو اس آئیڈیالوجی پر یقین نہیں رکھتے' اس نظام کے کل پرزے نہیں بن سکتے۔ چنانچہ اس کے لئے اس نے واضح الفاظ میں یہ کہہ دیا کہ

مسلمانو! ایسا ہرگز نہ کرو کہ اپنوں کے سوا کسی اور کو اپنا ہمراز اور معتمد بناؤ۔ یہ لوگ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔ جس بات سے تمہیں نقصان پہنچے وہی انہیں اچھی لگتی ہے۔ ان کے بعض منصوبے تو ان کے منہ سے ظاہر ہو جاتے ہیں لیکن جو کچھ ان کے دل میں چھپا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہم نے تم سے واضح طور پر بات کہہ دی ہے بشرطیکہ تم عقل وفکر سے کام لو۔

تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم ان سے دوستی جگاتے پھرتے ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ تمہیں ایک لمحہ کے لئے بھی دوست نہیں رکھتے۔ تم (اللہ کی طرف سے جتنی کتابیں بھی نازل ہوتی رہی ہیں) ان سب پر ایمان رکھتے ہو (اس لئے لامحالہ تمہارے دل میں ان کی کتابوں کا بھی احترام ہے) لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ یہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم بھی ان باتوں کو مانتے ہیں لیکن جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف جوشِ غضب میں اپنی انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں۔ (اے رسولؐ تم ان سے) کہہ دو کہ تم جوشِ غضب میں اپنی انگلیاں ہی کیوں کاٹتے ہو۔ جاؤ اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو۔ اللہ وہ کچھ جانتا ہے جو انسانوں کے سینے میں چھپا ہے۔

اگر کوئی بات ایسی ہو جائے جو تمہارے بھلے کی ہو تو وہ ان کے لئے موجب غم ہوتی ہے اور اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے تو بہت ہی خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم اپنے پروگرام پر مستقل مزاجی سے جمے رہے اور قوانین

خداوندی کی نگہداشت کی تو ان کا مکر وفریب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ خدا (کا قانون مکافات) ان کے تمام اعمال کو محیط ہے۔ (3:117-119)

اور آگے بڑھئے، سورۂ مجادلہ میں ہے۔

جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، تم کبھی نہ دیکھو گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوست داری کے تعلقات رکھیں جو اللہ اور رسول کے خلاف ہوں، خواہ وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا کنبہ کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں..... (55:22)-

سورۂ ممتحنہ میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ

تمہارے لئے ابراہیمؑ اور اس کے رفقائے کار کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے (برملا) کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور جن کی تم خدا کے سوائے عبودیت اختیار کئے ہوئے ہو۔ ان سے بیزار ہیں۔ ہم تمہارے ساتھ تعلقات سے انکار کرتے ہیں۔ تمہارے اور ہمارے درمیان عداوت اور نفرت ہمیشہ کھلی کھلی رہے گی۔ تا آنکہ تم بھی (ہماری طرح) خدا پر ایمان نہ لاؤ۔ (60:4)-

اور اس کے بعد پھر تاکید ہے کہ

اے مسلمانو! تم ان لوگوں کو کبھی اپنے دوست نہ بنانا جو غضب خداوندی کے مستحق ہیں (60:13)-

قرآن نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ ان لوگوں سے دوست داری کے تعلقات رکھنے سے کیوں منع کیا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ

ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء فلا تتخذوا منهم اولیاء.....

(4:89)-

یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح یہ خود کافر ہوئے ہیں تم بھی کافر بن جاؤ اور اس طرح تم دونوں برابر ہو جاؤ۔

یہ حقائق کسی تصرہ کے محتاج نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ احکام صرف حضرت ابراہیمؑ یا نبی اکرمؐ کے زمانے کے غیر مسلموں کے متعلق تھے یا ہمارے دور کے غیر مسلمانوں پر بھی ان کا اطلاق ہوتا ہے؟ بلکہ اب تو یہ کہنا چاہئے کہ کیا یہ احکام صرف تحریک پاکستان کے زمانے تک ہی محدود تھے (کیونکہ اس زمانہ میں انہی جداگانہ احکام کو جداگانہ قومیت اور جداگانہ انتخاب کے حق میں بطور دلیل پیش کیا جاتا تھا) یا تشکیل پاکستان کے بعد بھی ان کا نفاذ باقی ہے؟ ظاہر ہے کہ جو شخص ان احکام کو خدا کے احکام سمجھتا ہے، وہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ صرف اس زمانے سے متعلق تھے، اب منسوخ ہو چکے ہیں۔ یا غیر مسلموں کی جس ذہنیت کا قرآن نے ذکر کیا ہے، وہ اسی زمانہ تک کے لوگوں تک محدود تھے۔ ہمارے زمانہ کے غیر مسلموں کی ایسی ذہنیت نہیں۔ وہ تو یقیناً یہی کہے گا

کہ

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرتِ اسد اللہی' وہی مرحبی وہی عنتری

لہٰذا جب صورت حال یہ ہے تو پھر اس تبدیلی کے کیا معنی کہ تحریک پاکستان کے دوران تو مسلموں اور غیر مسلموں کا مخلوط انتخاب' اسلام کی تعلیم کے یکسر خلاف تھا اور آج وہی انتخاب عین مطابق دین ہے؟

''یاد رکھئے! قرآن کی رو سے ایک اسلامی حکومت میں مخلوط انتخاب تو ایک طرف' غیر مسلموں کو اسلامی دستور و قوانین کی مجلس شوریٰ میں بھی شریک نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی انہیں کسی ایسے کلیدی مقام پر رکھا جا سکتا ہے جہاں وہ اس نظام کے ہمراز و معتمد بن جائیں۔ یہ قرآن کا کھلا کھلا فیصلہ ہے۔ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ہم اس مقام پر اس حقیقت کو ایک بار پھر دہرا دینا چاہتے ہیں کہ اس سے نہ غیر مسلموں کی کوئی توہین مقصود ہے۔ نہ کوئی تنقیص۔ اس سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جب کوئی مملکت آئیڈیالوجی کی بنیادوں پر متشکل ہوگی تو لامحالہ اس کی پوزیشن یہی ہوگی کہ اس کے آئین و قوانین سازی کے امور میں ایسے لوگ شریک نہیں ہو سکیں گے جو اس آئیڈیالوجی پر یقین نہیں رکھیں گے اور نہ ہی ان کا ان لوگوں کے انتخاب اور تعین میں کوئی ہاتھ ہوگا جو ان امور کو سرانجام دیں گے۔ قرآن نے **امرھم شوریٰ بینھم** میں **بینھم** کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ ایسی مملکت کے امور ان لوگوں کے اپنے مشوروں سے طے پائیں گے۔ کوئی غیر اس میں شریک نہیں ہو سکے گا۔

ان حقائق کی روشنی میں' ہماری مجلس آئین ساز کے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔ اگر اس کے ارکان:

پاکستان کے لئے ایسا دستور مرتب کرنا چاہتے ہیں' جو فی الواقع' اسلامی ہو تو انہیں غیر مسلموں کی اس پوزیشن کو دستور میں واضح اور متعین کرنا ہوگا۔ لیکن اگر ان کے مصالح یا قلبی میلانات و عواطف' یا اس قسم کے غلط خیالات (جو محض کمزوری پر مبنی ہوتے ہیں) کہ یہ تو بڑی تنگ نظری ہے' اس سے ہندو ناراض ہو جائیں گے اور دنیا کیا کہے گی' انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتے' تو انہیں اس کا اعلان کر دینا چاہئے کہ ہمارا آئین دنیا کی دوسری قوموں کے آئین و دساتیر جیسا ہوگا' اسلامی نہیں ہوگا۔ لیکن اگر انہوں نے اپنی موجودہ روش کو قائم رکھا کہ اٹھتے بیٹھتے' اسلامی دستور کے الفاظ بھی رٹتے رہے' اپنی تقریروں اور تحریروں کو قرآن کی آیات اور رسول اللہؐ کی احادیث سے مزین بھی کرتے رہے' لیکن دستور میں مخلوط انتخاب جیسے غیر اسلامی تصورات کو ٹھونس دیا گیا تو ہم واضح الفاظ میں کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ان کی یہ روش زیادہ عرصہ تک چل نہیں سکے گی۔ اس لئے کہ یہ باتیں کوئی جزئی اور فروعی نہیں کہ جن کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ خیر! ہم رفتہ رفتہ اس انتہائی منزل تک جا پہنچیں گے۔ یہ بنیادی اور اصولی مسائل ہیں جن میں کسی صورت میں بھی مفاہمت (Compromise) نہیں ہو سکتی۔ یہی (متحدہ قومیت کا) وہ سوال تھا' جس کے ضمن میں اس حکیم الامتؒ نے جس نے قوم کو پاکستان کا تصور دیا تھا' حسین احمد مدنی سے برملا کہہ دیا تھا۔

''اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا''۔

لہٰذا اگر آپ یہ سمجھیں کہ آپ اسلام کے اصولوں سے انحراف کے باوجود جس دستور کو اسلامی کہہ کر مرتب کریں گے، قوم اسے اسلامی سمجھ کر سر آنکھوں سے لگا لے گی، تو یہ آپ کی بھول ہے ایسے مقام پر اقبالؒ کی ہمنوائی میں یہ کہنے والے اب بھی موجود ہیں کہ

غلامم جز رضائے تو نجویم!!
جز آں راہے کہ فرمودی نپویم
ولیکن گر بہ ایں ناداں بگوئی!!
خرے را اسپِ تازی گو، نگویم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نوٹ :- یاد رہے کہ یہ مضمون 1955ء میں ہفتہ وار طلوع اسلام کی اشاعت بابت 19 نومبر میں شائع ہوا تھا۔ اس میں بیان کردہ حقائق کو بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآنی صداقتیں زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں۔

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں، لا الٰہ الا اللہ

سوال یہ ہے کہ ''اگر ہم اپنا وہ اسلامی تشخص برقرار رکھنا چاہتے ہیں جو ہماری مملکت کی وجہ جواز تھا تو ہمیں ہمیشہ کے لئے یہ طے کرنا پڑے گا کہ ''جداگانہ انتخاب'' اس مملکت کی بنیادی اساس ہے۔ اس سے انحراف مملکت کے خلاف بغاوت تصور کیا جائے گا اور اس طرح ان لوگوں کی سازشوں کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع کر دیا جائے جو اس نظریاتی مملکت کے اسلامی تشخص کو مٹانے اور اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے درپے رہتے ہیں۔

اگر ایسا نہ کیا گیا تو مخلوط انتخابات کا ابلیسی اژدھا ہمارے مشرقی بازو کو تو نگل ہی چکا ہے، باقی ماندہ پاکستان کا وجود مستقل خطرے میں رہے گا۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

(اس مضمون میں ''ہندو'' کی جگہ ''غیر مسلم اقلیتیں'' پڑھ لیا جائے تو بات مزید واضح ہو جائے گی۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خریدار حضرات توجہ فرمائیں

مجلّہ طلوع اسلام کی درج ذیل خوبصورت جلدیں 180 روپے فی جلد علاوہ ڈاک خرچ دستیاب ہیں۔

70, 72, 73, 75, 76, 77, 78, 83, 84, 85, 86, 87, 88, 91, 94, 95, 96, 97, 99, 2000

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بحضور (ﷺ) شاہنشاہ بوریہ نشینؐ

اسلامی مملکت کے سربراہ کی

معاشی ذمہ داریاں

عصرِ حاضر کا ایک ماہرِ سیاسیات' پروفیسر مینکن (H.J.Mencken) دنیا کی سیاسی تاریخ کا جائزہ لینے کے بعد بصد حسرت ویاس اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ۔

تمام ناکامیوں میں سب سے بڑی ناکامی خود انسان کی ہے۔ اس انسان کی جو سب سے زیادہ مدنی الطبع اور سب سے زیادہ عقل مند ہے اور وہ ناکامی یہ ہے کہ یہ اپنے لئے آج تک کوئی ایسا نظام وضع نہیں کر سکا جسے دور سے بھی اچھی حکومت کہا جا سکے۔ اس نے اس باب میں بڑی بڑی کوششیں کی ہیں۔ بہت سی ایسی جو فی الواقعہ محیر العقول ہیں اور بہت سی ایسی جو بڑی جرات آزما ہیں لیکن جب ان کے عملی نفاذ کا وقت آیا تو نتیجہ حسرت ویاس کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ نظری طور پر حکومت کا خاکہ کھینچ لینا اور بات ہے اور عملی طور پر اسے نافذ کرنا اور بات۔ نظری طور پر حکومت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ افرادِ مملکت کی ضروریات زندگی مہیا کرنے کا ذریعہ ہے اور ارباب حکومت پبلک کے خادم ہیں لیکن جب حکومت کو عملاً قائم کیا جاتا ہے تو اس کا مقصد عوام کی خدمت کے بجائے انہیں لوٹنا کھسوٹنا ہو جاتا ہے۔

(Treatise of Right and Wrong)

اس مؤرخ نے بے شک اقوام عالم کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہوگا لیکن نظر آتا ہے کہ تاریخ کا ایک باب یا تو اس کی نگاہوں سے اوجھل رہا اور یا اس نے اسے عملاً نظر انداز کر دیا۔ اس لئے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ باب ایک غیر جانبدار مؤرخ کے سامنے آئے اور وہ انسان کی اس کامیابی کا تذکرہ نہ کرے جس کی رو سے اس نے دنیا کو بتا دیا کہ ایک ایسا نظام قائم کیا جا سکتا ہے جس میں حکومت کا فریضہ عوام کے خدام کی حیثیت سے ان کی ضروریات زندگی مہیا کرنا ہو اور یہ فریضہ محض نظری طور پر اس کے سامنے نہ ہو بلکہ وہ حکومت اسے عملاً پورا کر کے دکھا دے۔ یہ نظام قائم ہوا تھا' آج سے قریب چودہ سو سال پہلے' محمد رسول اللہ والذینؐ معہ' کے انسانیت ساز ہاتھوں سے' جس سے دنیا نے دیکھ لیا تھا کہ انسان اگر وحی کی راہ نمائی میں اپنا معاشرہ متشکل کرے تو کس طرح اس کی ناکامیاں' کامیابیوں میں بدل جاتی ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ زمانی اعتبار سے اس نظام

کی مدت بڑی مختصر سی تھی۔ لیکن جہاں تک اثر انگیزی کا تعلق ہے، دنیا کی کوئی تاریخ بھی اس کے تذکرہ کے بغیر مکمل نہیں سمجھی جا سکتی۔ اس نظام کے متعدد گوشے ہیں جن میں سے ہر گوشہ اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ جو حکومت مستقل اقدار خداوندی کی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے اس کا ہر قدم کس طرح تعمیرِ انسانیت کے لئے اٹھتا ہے لیکن چونکہ پروفیسر منکن نے ان میں سب سے زیادہ اہمیت اس گوشے کو دی ہے جس کا تعلق عوام کی بنیادی ضروریات زندگی مہیا کرنے سے ہے اور ویسے بھی ہمارے اس دور میں معاشیات نے خاص اہمیت اختیار کر لی ہے۔ اسے تو کہا ہی عہد اقتصادیات (Age of Economics) جاتا ہے اور کسی نظام کے حسن و قبح کے ماپنے کا پیمانہ ہی یہ قرار پا گیا ہے کہ وہ عوام کی معاشی مشکلات کا حل کیا پیش کرتا ہے۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ عید میلاد النبیؐ کی اس تقریب سعید پر خصوصیت سے اس گوشے کو سامنے لاؤں۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ اسلامی حکومت کے سربراہ کی معاشی ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں اور انہیں پورا کرنے کے لئے وہ کس طرح اپنی زندگی کو بطور نمونہ پیش کرتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ کوئی حکومت بھی تعمیری نتائج پیدا نہیں کر سکتی جب تک اس کے سربراہ ان اصولوں پر خود عمل کر کے نہ دکھائیں جنہیں اس حکومت کی اساس قرار دیا جاتا ہو۔

اسلامی حکومت کا بنیادی اصول

اسلامی حکومت کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (۱۱/۶)

روئے زمین پر کوئی ذی حیات ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری خدا پر نہ ہو۔

اسلامی حکومت جو خدا کے نام پر لوگوں سے اطاعت لیتی ہے، خدا کی اس ذمہ داری کو پورا کرنے کا عہد کرتی ہے۔ اس لئے وہ افراد مملکت سے پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتی ہے:

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (۱۵۱/۶)

ہم تمہاری ضروریات زندگی کے بھی ذمہ دار ہیں اور تمہاری اولاد کی ضروریات کے بھی۔

وہ ان میں سے ہر فرد کو اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ○ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى (۱۱۸/۲۰-۱۱۹)

ہم ایسا جنتی معاشرہ متشکل کریں گے جس میں تمہیں نہ بھوک کی پریشانی ہوگی نہ لباس کی نہ پیاس کی تکلیف ہوگی نہ سردی گرمی سے بچنے کی۔ اس میں روٹی، کپڑا اور مکان وغیرہ تمام افراد کو میسر ہوگا۔ اس کی ذمہ داری ہمارے سر پر ہوگی۔

آپ غور کیجئے یہ کتنی عظیم ذمہ داری ہے جسے یہ مملکت اپنے سر پر لیتی ہے۔ اس کے بعد یہ دیکھئے کہ اس گراں بار ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اس مملکت کا سربراہ اپنی زندگی کس قسم کی بسر کرتا ہے۔ اس مملکت کے سب سے پہلے سربراہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

حضور ﷺ کی مکی زندگی

آپؐ کی حیات طیبہ کے دو ادوار ہیں۔ ایک مکی

زندگی دوسری مدنی۔ مکی زندگی میں یہ مملکت قائم نہیں ہوئی تھی۔ لیکن حضورؐ اس جماعت کی تشکیل و ترتیب میں مصروف تھے جس کی رفاقت سے یہ مملکت قائم ہوئی تھی۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ آپؐ کی مکی زندگی بڑی عسرت اور تنگدستی کی تھی لیکن یہ صحیح نہیں۔ خدا نے حضورﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى (۹۳/۸) ''ہم نے تجھے تنگ دست پایا تو غنی کر دیا''۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضورؐ کی وہ زندگی ایک ''غنی'' کی زندگی تھی۔ یعنی ایسی زندگی جس میں آپﷺ کو اپنی ضروریات کے لئے کسی کا محتاج نہیں ہونا پڑتا تھا لیکن وہاں جماعت کے افراد کی ذمہ داریاں بہت زیادہ تھیں۔۔ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے سلسلے میں اس وقت حضورﷺ کا اسلوب کیا تھا۔ اس کا اندازہ صحیحین کی اس روایت سے لگ سکتا ہے جس میں کہا گیا ہے:

حضرت ابو موسیٰ اشریؓ سے روایت ہے کہ اشعر قبیلہ والوں کے ہاں دستور یہ تھا کہ جب کسی جنگ میں ان کے ہاں کھانا تھوڑا رہ جاتا یا ان کے ہاں بال بچوں پر ویسے فاقہ کی نوبت آ جاتی تو یہ لوگ اپنے کھانے کی چیزوں کو ایک جگہ جمع کر لیتے اور ایک برتن میں برابر حصے لگا کر آپس میں تقسیم کر لیتے۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔

اس سے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں حضورؐ اور جماعت مومنین کا انداز زیست ایسا تھا کہ اپنی اپنی ضروریات کی چیزوں کو سب اکٹھا کر لیتے اور پھر اس میں سے حصہ رسدی لے لیتے۔ چونکہ اس وقت جماعت میں اکثریت محتاجوں اور ناداروں کی تھی، اس لئے ظاہر ہے کہ اس مساواتی تقسیم میں ہر ایک کے حصے میں کس قدر آتا ہوگا۔ جو کچھ دوسروں کے حصے میں آتا ہوگا، وہی کچھ حضورؐ کے حصے میں آتا ہوگا، بلکہ اس سے بھی کم، اس لئے کہ قرآن کریم نے مومنین کا انداز زیست یہ بھی تو بتایا ہے کہ

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (۵۹/۹)

وہ دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں خود تنگی میں ہی گزارا کرنا پڑے۔ اور حضورؐ سب سے پہلے اس پر عمل پیرا ہوتے ہوں گے۔

مدنی زندگی

حضورﷺ کی مدنی زندگی میں ایک مملکت وجود میں آ گئی۔ آپﷺ دس لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی سلطنت کے سربراہ تھے۔ مولانا شبلی (مرحوم) کے الفاظ میں:

یہ وہ زمانہ تھا جب تمام عرب، حدود شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا تھا اور مدینہ کی سرزمین میں زر و سیم کا سیلاب آ چکا تھا۔ (سیرت النبیؐ۔ جلد اول۔ صفحات ۵۲-۳۴۹)۔

لیکن اس کے باوجود آپؐ نے جس انداز کی زندگی بسر کی اس کے متعلق کتب تاریخ و سیر میں ہے کہ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپﷺ کا کوئی کپڑا تہ کر کے نہیں رکھا گیا۔ صرف ایک جوڑا ہوتا تھا، دوسرا نہیں ہوتا تھا جو تہ کر کے رکھا جاتا۔ جن کپڑوں میں آپؐ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے

تھے۔ (ایضاً)

عسرت کی زندگی کیوں؟

اس پر لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اس قدر وسیع علاقہ آپ کے زیر نگیں تھا، اتنی بڑی سلطنت کے آپؐ سربراہ تھے۔ مدینہ میں زر و سیم کا سیلاب آ چکا تھا تو پھر آپ اس قدر عسرت کی زندگی کیوں بسر کرتے تھے؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ مملکت کے وجود میں آ جانے سے حضورؐ کی ذمہ داریوں میں بھی تو اسی نسبت سے اضافہ ہو گیا تھا۔ ملک میں خوشحال لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔ باقی سب مفلوک الحال، ضرورت مند، مفلس اور نادار تھے، جن کی کفالت مملکت کے ذمے تھی۔

سربراہ سب سے پیچھے

دنیا کی عام مملکتوں میں رئیس مملکت یا دیگر ارباب حکومت کے اخراجات کے لئے سب سے پہلے رقم الگ کر لی جاتی ہے اور جو باقی بچتا ہے اس میں سے دیگر مدات پر صرف کیا جاتا ہے لیکن اسلامی مملکت میں صورت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ اس میں سربراہ مملکت اپنی ضروریات کو سب سے مؤخر رکھتا ہے۔ وہ اس وقت کھاتا ہے جب سب کھا چکتے ہیں۔ وہ اس وقت پہنتا ہے جب سب پہن چکتے ہیں۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ

حضورؐ نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنا دے اور وہ لوگوں کی ضروریات اور احتیاجات سے لاپرواہی برتے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور احتیاجات کی طرف سے لاپرواہی برتے گا۔ (ابوداؤد۔ کتاب الخراج)

یہی روایت ترمذی میں ان الفاظ میں آئی ہے:

حضورؐ نے فرمایا جو امام ضرورت مندوں، محتاجوں اور مسکینوں پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور احتیاجات کے لئے آسمان کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ (ترمذی۔ کتاب الاحکام)

اس تفصیل کو حضورؐ نے چند الفاظ میں سمٹا کر یوں بیان فرمایا کہ

جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا۔ اس بستی سے اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور حفاظت کا ذمہ ختم ہو گیا۔ (مسند احمد)

کوئی فرد تنہا نہ رہنے پائے

مملکت کا فریضہ ہے کہ وہ کسی فرد کو محسوس تک نہ ہونے دے کہ وہ تنہا یا لاوارث ہے۔ اس لئے حضورؐ نے فرمایا کہ

جس کا کوئی سرپرست نہ ہو، اس کا سرپرست اللہ اور اس کا رسول ہے۔ (ترمذی۔ باب الفرائض)

حتیٰ کہ اگر کوئی شخص ایسی حالت میں وفات پا جائے کہ اس پر کسی کا قرض ہو اور وہ تنگدستی کی وجہ سے اس قرض کو ادا نہ کر سکا ہو تو اس کے قرض کی ادائیگی بھی مملکت کے ذمہ ہو گی۔ حضورؐ نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ

میں مسلمانوں سے ان کے اپنے افراد کی نسبت زیادہ قریب ہوں۔ سو ان میں سے جو مقروض وفات پا جائے تو اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمے ہے۔ (ابوعبید۔ کتاب الاموال)

ہر متنفس کے رزق کی ذمہ داری

مملکت کی یہ ذمہ داریاں صرف انسانوں تک محدود نہیں چونکہ قرآن کریم نے کہا ہے کہ ''زمین پر کوئی ذی حیات ایسا نہیں، جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو''۔ اس لئے اسلامی مملکت کے حدود میں رہنے والے ہر متنفس کی ذمہ داری مملکت پر عائد ہوتی ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے جو اسلامی مملکت کے تیسرے سربراہ اور حضورؐ کے جانشین تھے، فرمایا تھا:

اگر دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر جائے تو عمرؓ سے اس کی بھی باز پرس ہوگی۔ (توفیق الرحمٰن)

حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسلامی مملکت کا رقبہ ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل تک پھیل چکا تھا اور ایک عراق کی مال گذاری ساڑھے گیارہ کروڑ درہم تھی لیکن اسی نسبت سے افرادِ مملکت کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا تھا اور مملکت کی ذمہ داریاں بھی بڑھ گئی تھیں۔ افرادِ مملکت کے رزق کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وسائلِ پیداوار مملکت کی تحویل میں رہیں۔ وسائلِ پیداوار میں بنیادی حیثیت زمین کو حاصل ہے اور قرآن کریم کی رو سے زمین پر کسی کی ذاتی ملکیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا اعلان ہے کہ **الارض للہ**۔ ''زمین اللہ کی ہے''۔ اس پر کسی انسان کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ اسے **سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ**۔ (۴۱/۱۰) ہر ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کھلا رہنا چاہئے۔ اس کی تشریح میں حضورؐ نبی اکرمؐ نے اعلان فرمایا کہ

زمین اللہ کی ہے اور بندے بھی اللہ کے ہیں۔ اس لئے اللہ کی زمین اللہ کے بندوں کے لئے کھلی رہنی چاہئے۔ (ابوداؤد)

اس اعلان عظیم کا نتیجہ تھا کہ زمین پر ذاتی ملکیتیں ختم ہو گئیں اور زمیندار اور مزارع کی کوئی تفریق نہ رہی۔ آج کل ہمارے ہاں سود کی بحث نے بڑی اہمیت حاصل کر رکھی ہے لیکن یہ بحثیں بنک کے سود تک محدود ہیں۔ یہ بات کوئی نہیں بتاتا کہ حضورؐ نبی اکرمؐ نے زمین کی بٹائی (مزارعت) کے معاملہ کو بھی سودی کاروبار قرار دیا ہے۔ حضرت ابن ابی نعیمؓ کی روایت ہے:

(حضرت) رافع بن خدیجؓ نے ایک زمین کاشت پر لی۔ وہ اس کی آبیاری کر رہے تھے کہ حضورؐ ادھر سے گزرے اور پوچھا کہ یہ کھیتی کس کی ہے، اور زمین کس کی؟ رافعؓ نے کہا کہ یہ کھیتی میرے بیج اور محنت کا نتیجہ ہے۔ اس کا ایک حصہ میرا ہوگا اور ایک حصہ فلاں خاندان کا جس کی یہ زمین ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم دونوں سودی کاروبار کر رہے ہو۔ لہٰذا، زمین صاحب زمین کو واپس کر دو، اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے اسے اس سے وصول کر لو۔ (ابوداؤد)

ایک اور روایت میں اس اصول کی مزید تشریح ان الفاظ میں آئی ہے:

رسولؐ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا زمین کا مالک کاشتکار سے تھوڑا بہت اناج بھی نہیں لے سکتا؟ فرمایا نہیں۔ پھر سوال کیا گیا اچھا غلہ نہ سہی، بھوسہ تو لے سکتا ہے؟ فرمایا۔ بالکل نہیں۔ (نسائی)

اس لئے کہ جب زمین پر کسی کی ذاتی ملکیت ہو ہی نہیں سکتی تو حق ملکیت کیسا؟ زمین خدا کی اور اس میں پیداوار کے تمام

اسباب و عناصر بھی اس کے عطا کردہ۔ پھر زمین کا ''خود ساختہ'' مالک کس بات کا معاوضہ لیتا ہے؟ اقبالؒ کے الفاظ میں:-

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار
خاک یہ کس کی ہے، کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب؟
وہ خدایا! یہ زمیں تیری نہیں، میری نہیں!
تیرے آبا کی نہیں، میری نہیں، تیری نہیں!

''زمین کے مالک اور مزارع'' کا سوال تو ایک طرف رہا، وہ حضرات اس باب میں اس قدر محتاط تھے کہ حضرت عمرؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ کا بیان ہے کہ

''میں نے کچھ اونٹ خریدے اور انہیں سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا۔ وہ فربہ ہو گئے تو انہیں بازار میں فروخت کرنے کے لئے آیا۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ کا گزر اس طرف سے ہوا۔ انہوں نے پوچھا کہ ایسے فربہ اونٹ کس کے ہیں؟ میں نے جواب دیا تو پوچھا کہ یہ ایسے موٹے تازے کس طرح ہو گئے ہیں؟ میں نے کہا کہ، میں نے انہیں سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا تاکہ جو فائدہ دوسرے مسلمان اٹھاتے ہیں میں بھی اٹھاؤں''۔

یہ سن کر آپؓ کو سخت غصہ آیا اور کہا کہ عام مسلمانوں کا ذکر کیوں کرتے ہو! کہو امیر المومنین کے بیٹے کے اونٹ تھے اس لئے حکومت کی چراگاہ میں بھیج دیئے۔ سنو! اونٹ فروخت کرو اور راس المال رکھ کر منافع بیت المال میں جمع کرا دو۔

(شاہکار رسالت۔ ص ۳۲۱)

خلیفہ کا حصہ

یہ تو خلیفہ کے بیٹے کی بات تھی۔ خود خلیفہ بیت المال میں اپنا حصہ کس قدر سمجھتا تھا۔ اس کے متعلق جب حضرت عمرؓ سے پوچھا گیا، تو آپؓ نے فرمایا:

کپڑوں کے دو جوڑے، ایک جاڑے کا اور دوسرا گرمی کا، حج اور عمرہ کے لئے ایک احرام اور میرے اور میرے اہل و عیال کے لئے فی کس اتنا کھانا جو قریش کے ایک آدمی کی خوراک ہے نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم، اس کے بعد، میں مسلمانوں کا ایک فرد ہوں، جو ان کا حال سو میرا حال۔ (عمر فاروقؓ۔ از محمد حسین ہیکل)

وہ فرمایا کرتے تھے کہ

اللہ کا مال میرے لئے ایسا ہے جیسے کسی یتیم کا مال، ضرورت نہیں ہوتی تو اسے ہاتھ نہیں لگاتا اور حاجتمند ہوتا ہوں تو بقدر احتیاج لے لیتا ہوں۔ (ایضاً)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وظیفہ

حضرت ابوبکرؓ صدیق کا فیصلہ اس سے زیادہ ایمان افروز ہے۔ وہ کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ جب آپؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ آپ کا سارا وقت ملت کا ہو گیا ہے۔ آپؓ اسے اپنی ذاتی ضروریات کے

لئے صرف نہیں کر سکتے۔ اس پر سوال پیدا ہوا کہ پھر خلیفہ اور اس کی اہل وعیال کی ضرورت پوری کرنے کا کیا ذریعہ ہوگا؟ طے ہوا کہ خلیفہ بقدر کفاف بیت المال سے وظیفہ لے سکتا ہے۔ اس فیصلے کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ خلیفہ کا وظیفہ کس قدر ہونا چاہئے' مختلف تجاویز پیش ہوئیں' لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اس کا فیصلہ وہ خود کریں گے۔

آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے اس کا تعین کس طرح سے کیا؟ انہوں نے کہا کہ دریافت کرو کہ مدینہ میں ایک مزدور کی کم از کم اجرت کس قدر ہے؟ جس قدر اس کی اجرت تھی' آپؓ نے اسی قدر اپنا وظیفہ مقرر کیا۔ رفقاء نے کہا کہ اس میں آپ کا گزارہ کس طرح ہو سکے گا؟ فرمایا جس طرح اس مزدور کا گزارہ ہوتا ہے۔ اگر اس میں میرا گزارہ نہیں ہوگا تو میں مزدور کی اجرت بڑھا دوں گا تاکہ اسی نسبت سے میرے وظیفہ میں اضافہ ہو جائے۔ آپؓ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اصول یہ ہونا چاہئے کہ خلیفہ کا وظیفہ مملکت کے کم از کم آمدنی والے محنت کش کے برابر ہوتا کہ اسے احساس ہو کہ اس آمدنی میں غریب کس طرح گزارہ کرتے ہیں اور پھر اس احساس کے تابع وہ افراد مملکت کی آمدنی میں اضافہ کرنے کی تدابیر اختیار کرے۔'' (شاہکار رسالت۔ ص ۳۵۹)

ترکِ دُنیا نہیں

اس مقام پر میں اس حقیقت کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ دو جوڑے کپڑے اور روکھا سوکھا کھانا اس لئے نہیں تھا کہ یہ حضرات تارک الدنیا زاہدوں کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ اس قسم کے زہد وتورع کے متعلق ان کا ردعمل یہ تھا کہ

ایک دن حضرت عمرؓ نے کسی زاہد مرتاض کو دیکھا۔ اس کے پاس گئے اور ایک درہ مار کر بولے:

''خدا تجھے موت دے' ہمارے دین کا کیوں گلا گھونٹتا ہے۔'' (ہیکل)

جو کی روٹی

جیسا کہ میں نے اوپر بتایا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنا اصول یہ بنا لیا تھا کہ مملکت کا سربراہ اپنا معیارِ زندگی ایسا رکھے جو امت کے ہر فرد کو میسر آ سکتا ہو' جوں جوں امت کے عام معیارِ زندگی کی سطح بلند ہوتی جائے سربراہ مملکت کا معیار بھی اونچا ہوتا چلا جائے' چنانچہ تاریخ میں ہمیں یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ ایک دفعہ مصر کا گورنر آیا تو حضرت عمرؓ کھانا کھا رہے تھے۔ اس نے دیکھا کہ کھانے میں جو کی روٹی ہے۔ اس نے کہا کہ اب تو مصر سے کافی مقدار میں گیہوں آ رہا ہے' آپ گیہوں کی روٹی کیوں نہیں کھاتے؟ آپؓ نے فرمایا کہ اس کا مجھے یقین ہے کہ اس وقت مملکت میں ہر فرد کو جو کی روٹی میسر آ رہی ہے۔ جس دن آپ مجھے اس کا یقین دلا دیں گے کہ ہر فرد کو گیہوں کی روٹی مل رہی ہے' اس دن میں گیہوں کی روٹی کھالوں گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مملکت میں ایک بھی فرد ایسا ہو جسے گیہوں کی روٹی میسر نہ آتی ہو' اور سربراہ مملکت گیہوں کی روٹی کھائے۔ جب آپ سے کہا گیا کہ آپ اس قدر عسرت کی زندگی بسر کر کے اپنے آپ کو مشقت میں کیوں ڈالتے ہیں؟ تو آپ نے اس کا جو جواب دیا وہ اسلامی مملکت کے سربراہ کے احساس ذمہ داری کا صحیح آئینہ دار ہے' آپ نے فرمایا کہ

میں رعایا کی دیکھ بھال کیسے کر سکتا ہوں جب تک مجھ پر وہی کچھ نہ بیتے جو رعایا پر بیتتی ہے۔ (ہیکل)

جب آذربائیجان کا علاقہ فتح ہوا تو جیوش اسلامیہ کے سپہ سالار، حضرت عقبہ بن فرقدؓ نے وہاں کی ایک خاص مٹھائی کے دو ٹوکرے امیر المومنین حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجے۔ آپؓ نے مٹھائی کو چکھا تو بہت پسند فرمایا لیکن اسے کھانے سے پہلے قاصد سے پوچھا کہ اس مٹھائی کو وہاں تمام سپاہیوں نے کھایا ہے؟ قاصد نے جواب دیا کہ نہیں! یہ تو صرف آپؓ کے لئے ہے۔ اس پر آپؓ نے عقبہ کو جو خط لکھا وہ ہمارے پیش نظر نکتہ کی بہترین تفسیر ہے۔ آپؓ نے لکھا:

اللہ کے بندے، امیر المومنین کی طرف سے عقبہ بن فرقدؓ کے نام۔ امابعد۔ فرقد! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جو کچھ ہمیں اللہ نے عطا کیا ہے وہ نہ تمہاری ذاتی محنت اور مشقت کا نتیجہ ہے نہ تمہارے ماں باپ کی محنت اور مشقت کا نتیجہ (یہ تمام مسلمانوں کی مشترکہ محنت کا ثمر ہے) اس لئے ہم کوئی چیز ایسی نہیں کھا سکتے جو تمام مسلمانوں کے گھروں میں کافی مقدار میں نہ ہو۔ (شاہکار رسالت)

قادسیہ کی عظیم فتح کی خوشخبری سننے کے بعد، آپؓ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا، تاریخ کے صفحات پر آج تک سنہری حروف میں درخشندہ ہے۔ آپؓ نے کہا:

مجھے اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی کسی کو ضرورت مند دیکھوں، اس کی ضرورت پوری کر دوں۔ جب تک ایک دوسرے کی (انفرادی طور پر) مدد کرنے سے ایسا ہو سکے، ہمیں ایسا کرنا چاہئے۔ جب معاملہ اس سے آگے بڑھ جائے تو ہمیں سب کو مل کر گزر اوقات کرنی چاہئے۔ یہاں تک کہ سب کا معیار زندگی ایک جیسا ہو جائے۔ کاش! تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا کس قدر خیال ہے لیکن یہ چیز میرے زبانی سمجھانے کی نہیں۔ عمل کر کے دکھانے کی ہے۔ خدا کی قسم! میں بادشاہ نہیں کہ تم لوگوں کو اپنا محکوم اور غلام بنا کر رکھوں۔ میں تو خود خدا کا محکوم اور غلام ہوں۔ حکمرانی کی یہ امانت میرے سپرد کی گئی ہے۔ اب اگر میں اسے اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھ لوں، بلکہ تمہارے چیز تمہاری طرف لوٹا دوں اور تمہارے پیچھے تمہاری خدمت کے لئے چلوں یہاں تک کہ تم اپنے اپنے گھروں میں سیر ہو کر کھا پی سکو تو یہ وہ سعادت ہو گی جو تمہارے ذریعہ مجھے میسر آ جائے گی لیکن اگر میں اس امانت کو اپنا لوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور اپنے گھر پر آنے کے لئے مجبور کر دوں تو یہ وہ بدبختی ہو گی جو تمہارے ذریعے میرے سر پر مسلط ہو جائے گی۔ (خدا مجھے اس سے محفوظ رکھے)"۔

(شاہکار رسالت)

عمرؓ کا پوتا پھل کھا رہا ہے

یہ تو پھر بھی مٹھائی تھی، جب حجاز میں قحط پڑا تو حالات بڑے نازک ہو گئے تھے اور آپؓ کی ضبط خویش اور خود فراموشی کی شدت انتہا تک پہنچ گئی تھی۔ اسی زمانے کا ذکر ہے کہ ایک دن آپؓ نے دیکھا آپؓ کا پوتا ککڑی (یا تربوز) کھا رہا ہے۔

(حضرت) عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا اور ڈانٹ کر کہا کہ ''محمدؐ کی امت بھوکی مر رہی ہے اور عمرؓ کا پوتا پھل کھا رہا ہے؟'' بیٹے نے کہا کہ ابا جان! خفا نہ ہوجئے۔ عمرؓ کے پوتے کو ''پھل'' کسی خصوصی امتیاز کی بنا پر نہیں ملا۔ صبح کے ناشتے میں بچوں کو جو کھجوریں ملی تھیں' ابن نے ایک بدو لڑکے سے ان کے عوض یہ ککڑی (یا تربوز) خرید لیا تھا۔

یہ عمرؓ کی پوتی تھی!

ایک دن گلی میں دیکھا کہ ایک بچی جا رہی ہے-- زرد رو' نحیف و نزار-- اسے دیکھ کر آپؓ کو بڑا صدمہ ہوا۔ پوچھا' یہ کس کی بچی ہے؟ بیٹا ساتھ تھا۔ کہا کہ ''یہ امیر المومنین کی پوتی ہے!'' فرمایا کہ ''اس کی ایسی حالت کیوں ہے؟'' کہا کہ ''اس قحط میں جو ملتا ہے' بدوؤں کے بچے تو اس کے عادی ہیں لیکن ہمارے بچے اس کے عادی نہیں۔ اس لئے ان کی یہ حالت ہو رہی ہے۔ فرمایا کہ ''حالت کچھ بھی ہو' اس عالمگیر مصیبت میں کسی کے ساتھ ترجیحی سلوک نہیں کیا جا سکتا۔''

ہم نے شروع میں بتایا ہے کہ اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ تمام افراد مملکت کی ضروریات زندگی پوری ہوتی رہیں۔ اس کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی جاتی تھیں لیکن احتیاط یہ برتی جاتی تھی کہ کسی شخص کو اپنی ضرورت کے لئے (اور تو اور' خود) خلیفہ کے سامنے بھی ہاتھ نہ پھیلانا پڑے کیونکہ اس سے صاحبِ احتیاج کی عزتِ نفس کے مجروح ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس حقیقت سے مملکت کا ہر فرد واقف تھا اور کس حد تک واقف تھا' اس کے لئے ایک ایسا واقعہ سامنے آتا ہے کہ خود حضرت عمرؓ بھی جب اسے یاد کرتے تھے تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔

شام کے ویرانے کی بڑھیا

آپؓ شام کے سفر سے واپس آرہے تھے تو راستے میں ایک خیمہ دیکھا-- ویرانے میں ایک خیمہ! قریب گئے۔ تو دیکھا کہ اس میں ایک بڑھیا بیٹھی ہے۔ اس سے پوچھا کہ ''تمہیں عمرؓ کا بھی کچھ حال معلوم ہے؟'' اس نے کہا کہ ''سنا ہے کہ وہ شام سے چل پڑا ہے۔ اس سے زیادہ نہ مجھے اس کی بابت کچھ علم ہے' نہ معلوم کرنے کی ضرورت۔'' آپؓ نے پوچھا کہ ''ایسا کیوں؟'' اس نے کہا کہ ''جس نے آج تک یہ معلوم نہیں کیا کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے میں اس کے حالات معلوم کر کے کیا کروں گی؟'' آپؓ نے کہا کہ ''تم نے عمرؓ تک اپنی حالت کی اطلاع پہنچائی تھی؟'' اس نے کہا کہ ''یہ میرا کام نہیں تھا' عمرؓ کا کام تھا۔'' آپؓ نے کہا کہ ''عمرؓ کو اتنی دور کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟'' اس کے جواب میں اس بڑھیا نے جو کچھ کہا وہ غور سے سننے کے قابل ہے۔ اس نے کہا کہ

اگر عمرؓ اپنی رعایا کے ہر فرد کے حالات کا علم نہیں رکھتا تو اسے حکومت کرنے کا کیا حق حاصل ہے۔

حضرت عمرؓ جب بھی اس واقعہ کو یاد کرتے تو آنکھوں میں آنسو آجاتے اور کہتے کہ خلافت کا مفہوم کیا ہے' مجھے شام کی اس بڑھیا نے بتایا۔

ع خداوندا! خدائی دردِ سر ہے

اسی کا احساس تھا کہ آپؓ نے ایک دفعہ فرمایا کہ

اگر میں زندہ رہا تو رعایا کا حال معلوم کرنے کے لئے سال بھر تک مسلسل سفر میں رہوں گا-- کیونکہ دور

دراز علاقوں کے لوگ مجھ تک پہنچ نہیں سکتے اور میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے عمال ان میں سے ہر ایک کی ضروریات سے مجھے آگاہ کرتے ہوں۔ میں شام، جزیرہ، مصر، بحرین، بصرہ جاؤں گا اور ہر مقام پر دو دو ماہ قیام کر کے لوگوں کے حالات براہ راست معلوم کروں گا۔

لیکن عمر نے ایفا نہ کی اور اس دورہ کا موقع ہی نہ ملا۔

اگر یہ پوچھا جائے کہ قرآن کے اس معاشی نظام کی یہ عظیم عمارت کن بنیادوں پر استوار تھی، جس کی عالم تاب اور عدیم النظیر مثالیں اس شاہنشاہِ بوریہ نشینؓ اور آپ کے رفقائے کرامؓ کی زندگی سے پیش کی گئی ہیں تو اس کا جواب دو لفظوں میں دیا جا سکتا ہے کہ یہ عمارت عدل و احسان کی بنیادوں پر استوار تھی۔ عدل و احسان کے درخشندہ اصول کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کسی حوض میں چشمہ ابلتا ہے۔ جب حوض بھر جاتا ہے تو اس کا زائد پانی باہر نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ پانی کس طرف جاتا ہے؟ نشیب کی طرف۔ یعنی اس نچلی سطح کی طرف جہاں پانی نہیں ہوا۔ جب وہ گڑھے بھی بھر جاتے ہیں تو پانی آگے جانا شروع ہو جاتا ہے۔ حوض کا اپنی گنجائش کے مطابق پانی رکھ لینا عدل ہے اور فالتو پانی کو ان گڑھوں کی طرف منتقل کر دینا، جہاں اس کی ضرورت ہے، احسان ہے۔ اس طرح حوض اور اس کے گرد و پیش میں پانی کا (Level) ہموار ہو جاتا ہے۔ یہ ہے اسلام کا معاشی نظام جس میں امیر اور غریب کے طبقات ختم ہو جاتے ہیں اور انسانیت کی سطح ہموار ہو جاتی ہے۔ امیر اور غریب کے طبقات تو زمانہ نزول قرآن میں بھی موجود تھے لیکن انہوں نے اس زمانے میں ایسی عالم گیر حیثیت اختیار نہیں کی تھی جیسی اس دور میں ہو چکی ہے۔ بایں ہمہ حضور کی نگہ بصیرت نے اس حقیقت کو اس زمانے میں دیکھ لیا تھا کہ اگر یہ خلیج وسیع ہو گئی تو اس سے کس قسم کے خطرات نمودار ہوں گے۔ اسے حضورؐ نے ایک مثال کے ذریعے سمجھایا۔ فرمایا:

کچھ لوگ ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ ان میں سے کچھ اوپر کے حصے میں پہنچ گئے، کچھ نیچے کے حصے میں، جو نچلے حصہ میں تھے، وہ پانی لینے کے لئے اوپر گئے۔ اوپر والوں نے انہیں یہ کہہ کر پانی لینے سے روک دیا کہ اس سے انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ نیچے والوں نے کہا، بہت اچھا۔ ہم نیچے سوراخ کر کے پانی حاصل کر لیں گے۔ اب اگر ان نیچے والوں کو (پانی دے کر) اس سے روکا نہ گیا تو ظاہر ہے کہ اوپر اور نیچے والے سب غرق ہو جائیں گے۔ اگر روک دیا گیا تو سب بچ جائیں گے۔ (ترمذی جلد دوم۔ ابواب فتن)

حضورؐ نے جس خطرہ سے چودہ سو سال پہلے متنبہ کیا تھا وہ اس دور میں بڑی تیزی سے نمودار ہوتا نظر آ رہا ہے۔ **فھل من مدکر؟**

☆☆☆☆☆☆☆

ہم بات یہ کر رہے تھے کہ قرآن کے معاشی نظام کی عمارت ''عدل و احسان'' کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے یعنی ضرورت سے زائد اس طرف لوٹا دیا جائے، جس طرف اس کی کمی ہے۔ قرآن کریم نے اس عظیم اصول کو ایک مختصر سی آیت

میں سمٹا دیا ہے جب کہا کہ وَيَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ (۲/۲۱۹) ''اے رسول! یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کس قدر دوسروں کی ضروریات کے لئے دے دیں۔ ان سے کہو کہ جس قدر تمہاری اپنی ضروریات سے زائد ہے وہ سب کا سب''۔ حوض نے فالتو پانی رکھنا کاہے کے لئے ہے؟ اس نظام میں زائد از ضرورت کسی کے پاس رہتا ہی نہیں۔ مسلم کی ایک روایت سے اس ارشاد خداوندی کی عملی تفسیر یوں سامنے آتی ہے:

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ ہم رسولؐ اللہ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک شخص آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس کے پاس سواری ضرورت سے زائد ہو وہ اس آدمی کو دے دے جسے اس کی ضرورت ہو۔ جس کے پاس زادِ راہ زیادہ ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہ ہو۔ اس طرح آپؐ نے بہت سی چیزوں کا ذکر فرمایا حتیٰ کہ ہم نے سمجھ لیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی ضرورت سے زائد کوئی چیز رکھنے کا حق نہیں۔

مسلم ہی کی ایک اور روایت ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ بندہ میرا مال میرا مال کہتا ہے۔ حالانکہ مال میں اس کا حصہ صرف تین چیزیں ہوتی ہیں۔ (۱) جو کچھ وہ کھا کر ہضم کر لیتا ہے۔ (۲) جسے وہ پہن کر پرانا کر دیتا ہے اور (۳) جو کچھ دوسروں کی پرورش کے لئے دے کر اپنے لئے ذخیرۂ آخرت کر لیتا ہے۔

ان تین چیزوں کے علاوہ جو کچھ بھی ہوتا ہے، وہ یا تو چلا جاتا ہے۔ یا وہ اسے دوسروں کے لئے چھوڑ کر مر جاتا ہے۔

مال و دولت جمع نہیں کئے جا سکتے

یہیں سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم نے جو مال و دولت کو جمع کرنے سے سختی سے روکا ہے تو یہ اصول، اسلامی مملکت کے نظام میں کس طرح فٹ بیٹھتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۹/۳۴)

جو لوگ چاندی سونا (مال و دولت) جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں (ضرورت مند کی ضرورت رفع کرنے کے لئے) کھلا نہیں رکھتے تو انہیں الم انگیز عذاب سے آگاہ کر دے۔

اسلامی مملکت میں:

(۱) تمام افراد مملکت کی ضروریات زندگی کا پورا کرنا مملکت کا فریضہ ہوتا ہے۔

(۲) مملکت کا یہ فریضہ اس طرح پورا ہوتا ہے کہ ہر فرد کاسب (یعنی جو کمانے قابل ہو) پوری پوری محنت سے کمائے۔ اس میں سے اپنی ضروریات کے مطابق رکھ کر باقی مملکت کے لئے کھلا چھوڑ دے تاکہ وہ اسے ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے کام میں لائے۔

(۳) اس اصول پر سب سے پہلے خود رئیسِ مملکت کاربند ہوتا ہے اور اس کا طرزِ عمل دوسروں کے لئے نمونہ ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

حضور ﷺ کا ترکہ

اس سے ایک اور حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ جب اصول یہ ٹھہرا کہ کوئی شخص اپنی ضروریات سے زائد اپنے پاس رکھ نہیں سکتا۔ تو ایسے معاشرہ میں جائدادیں کھڑی کرنے اور انہیں ترکہ میں چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے حضورؐ نے واضح الفاظ میں فرما دیا تھا کہ

میرے ورثہ میں ایک دینار بھی بطور ترکہ تقسیم نہیں ہو گا۔ میری بیویوں کی ضروریات اور منتظم کی ضروریات کے بعد جو کچھ بھی بچے صدقہ ہو گا۔ (بخاری)

اس سلسلے کی اگلی کڑی وہ روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مرض الموت کے ایام میں حضور ﷺ کے ہاں سات دینار تھے اور حضور ﷺ فرماتے تھے کہ انہیں صدقہ کر دو لیکن اس کے بعد حضور ﷺ پر غشی طاری ہو گئی اور سب لوگ آپ ﷺ کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے۔ آپ ﷺ کو ہوش آیا تو فرمایا:

وہ دینار لے آؤ' دینار کو حضورؐ نے اپنے ہاتھ پر رکھ کر کہا کہ محمد ﷺ کا اپنے رب پر کیا گمان ہو گا جبکہ وہ اپنے رب سے ملے اور اس کے پاس یہ ہوں پھر حضورؐ نے انہیں خود صدقہ کر دیا۔ (یعنی بیت المال میں بھیج دیا) (اصح السیر۔ حکیم دانا پوری)

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ نے نہ درہم چھوڑا نہ دینار نہ بکری نہ اونٹ اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔

اسی طرح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ رسولؐ اللہ نے اپنی وفات کے وقت نہ دینار چھوڑا نہ درہم' نہ غلام نہ لونڈی اور نہ کوئی اور چیز سوائے اپنے خچر کے اور اپنے ہتھیار کے اور اس زمین کے جسے آپؐ نے صدقہ کر دیا تھا۔ مولانا شبلی (مرحوم) نے ''سیرۃ النبیؐ'' میں ''متروکات'' کے عنوان کا آغاز ہی ان الفاظ سے کیا ہے:

آنحضرتؐ نے جب انتقال فرمایا تو اپنے مقبوضات اور جائداد میں سے کیا کیا چیزیں ترکہ میں چھوڑیں؟ اس سوال کا اصل جواب تو یہ ہے کہ آپؐ اپنی زندگی میں اپنے پاس کیا رکھتے تھے جو وفات کے بعد چھوڑ جاتے۔ اگر کچھ تھا بھی تو اس کے متعلق عام اعلان فرما چکے تھے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔

میں نے ایک نوجوان طالب علم سے جب یہ اصول بیان کیا کہ کوئی شخص اپنی ضروریات سے زائد اپنے پاس کچھ نہیں رکھے گا تو اس نے کچھ طنزیہ انداز سے کہا کہ انسان اپنی ضروریات کا سلسلہ تو ختم نہیں ہوتا۔ اس کا تعین کون کرے گا کہ فلاں کے پاس زائد از ضرورت ہے۔ میں نے نہایت سکون سے جواب دیا کہ اس کا تعین وہ خود کرے گا۔ وہ کیسے کرے گا سنو!

اسلامی مملکت کے سربراہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک دن کھانے کے بعد بیوی سے کہا کوئی میٹھی چیز اگر ہو تو

دیجئے۔ اس نے کہا بیت المال سے جو راشن آتا ہے اس میں میٹھی چیز شامل نہیں -- بات آئی گئی ہوگئی۔ ہفتہ عشرہ کے بعد آپؓ نے دیکھا کہ کھانے کے ساتھ تھوڑا سا حلوہ بھی ہے۔ آپؓ نے بیوی سے کہا کہ تم نے تو کہا تھا کہ راشن میں کوئی میٹھی چیز نہیں آتی' یہ حلوہ کیسے پک گیا؟ اس نے کہا: ''میں ان دنوں مٹھی بھر آٹا الگ رکھتی گئی۔ جب وہ کافی ہوگیا تو اس کے عوض بازار سے کھجور کا شیرہ منگوا لیا اور حلوہ پکا لیا۔'' آپؓ کھانا کھانے سے فارغ ہو کر سیدھے بیت المال گئے' اور راشن بانٹنے والے سے کہا کہ ہمارے لئے روزانہ جس قدر آٹا جاتا ہے' اس میں ایک مٹھی کی کمی کر دی جائے کیونکہ تجربہ نے بتایا ہے کہ آٹے کی موجودہ مقدار ہماری روزانہ ضرورت سے بقدر ایک مٹھی کے زیادہ ہے۔''

ہمیں یہ باتیں آج افسانہ سی نظر آتی ہیں لیکن یہ افسانے نہیں' حقیقتیں ہیں۔ جب دین کے تقاضے اعماق قلب سے ابھریں تو اس میں یہ سب کچھ ممکن ہو جاتا ہے۔ دین کا قیام انہی افراد کے ہاتھوں عمل میں آ سکتا ہے جن کی ذات میں اس قسم کا تغیر آ چکا اور جن کے قلب و نگاہ میں ایسی تبدیلی پیدا ہو چکی ہو۔ نگاہ کی تبدیلی سے انسانی کیریکٹر میں کس قسم کی تبدیلی آ جاتی ہے۔ اس کی مثالوں سے ہمارے اس دور کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ جب مدائن فتح ہوا تو فوج کے سپاہی وہاں سے شہنشاہ ایران کے موتیوں کے ہار' جواہرات کا مرصع تاج اور زر کے ریشمی ملبوسات لے کر آئے جن میں جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔

جب اس مال غنیمت کا خمس (پانچواں حصہ) مدینہ پہنچا تو اہل مدینہ کی آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں ان کا ذہن اسے باور نہیں کرتا تھا۔ ساٹھ مربع گز کا تو صرف ایک قالین تھا جس پر مملکت کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ اس کی زمین سونے کی تھی' جا بجا موتیوں کی نہریں تھیں۔ کناروں پر چمنستان تھا جس پر منقوش درختوں کے تنے سونے کے' پتے ریشم کے اور پھل جواہرات کے تھے۔ حضرت سعدؓ نے لکھا تھا کہ یہ تمام زر و جواہرات مسلمان سپاہیوں کے قبضے میں تھے اور ایسے ایسے مقامات سے ملے تھے جہاں انہیں کوئی دیکھنے والا نہیں تھا۔ ان میں سے کسی نے ایک سوئی بھی اپنے پاس نہیں رکھی۔ سب کچھ لا کر اپنے قائد کے سامنے رکھ دیا۔ یہ معلوم ہونے پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس قسم کی دیانت اور امانت کی مثال اور کہاں مل سکے گی؟ اس کے جواب میں جو کچھ حضرت علیؓ نے فرمایا اس دیانت اور امانت کا راز اس میں تھا۔ آپؓ نے فرمایا کہ

> چونکہ آپ ﷺ کا دامن پاک ہے' اس لئے آپ کی رعایا بھی پاک دامن ہے۔ اگر آپ کی نیت ٹھیک نہ ہوتی تو اس کی نیت میں بھی فرق آ جاتا۔ (بحوالہ ہیکل)

اس دیانت اور امانت کی ابتدا خود اپنے گھر سے ہوتی تھی۔ حضرت معیقیبؓ بیت المال کے خزانچی تھے۔ ایک دن بیت المال سے جھاڑو دینے لگے تو کوڑے میں سے ایک درہم (یوں سمجھئے کہ اس وقت کا چھوٹے سے چھوٹا سکہ) ہاتھ لگا۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ کے گھر کا ایک بچہ پاس کھڑا تھا۔ خزانچی نے وہ درہم اس بچے کو دے دیا اور گھر چلا گیا۔ ابھی گھر پہنچا ہی تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا بلاوا آ گیا۔ وہ آیا تو دیکھا کہ

وہی درہم آپؐ کے ہاتھ میں تھا۔ کہا کہ معیقیبؓ! میں نے تمہارے ساتھ کونسی زیادتی کی تھی جو تم نے مجھ سے اس طرح بدلہ لینا چاہا؟ تم سوچو کہ قیامت کے دن جب امت محمدیہ مجھ سے اس درہم کی بابت پوچھے گی تو میں کیا جواب دوں گا؟

آپؐ کا معمول تھا کہ جب لوگوں کو کسی بات سے منع کرتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے ان سے کہتے:

میں نے لوگوں کو فلاں فلاں چیز سے منع کیا ہے۔ یاد رکھو! لوگ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جس طرح پرندہ گوشت کی طرف دیکھتا ہے۔ اگر تم بچو گے تو وہ بچیں گے اور اگر تم پھنسو گے تو وہ بھی پھنسیں گے۔ اگر تم میں سے کسی شخص نے ان باتوں کا ارتکاب کیا تو خدا کی قسم! میں اپنے ساتھ تمہارے تعلق کی وجہ سے تمہیں دگنی سزا دوں گا۔ اب تمہیں اختیار ہے جو چاہے حدود سے تجاوز کرے، جو چاہے ان کے اندر رہے۔ (شاہکار رسالت)

☆☆☆☆☆☆☆

یہ ہیں چند ایک جھلکیاں سربراہان مملکت اسلامی (محمد رسولؐ والذینؓ معہٗ) کی اس سیرت مقدسہ کی جو دنیا کے ارباب فکر و عمل کو پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ اگر تم انسانیت کی سطح بلند کرنا چاہتے ہو تو اسکا طریق یہ ہے کہ تم نوع انسان کے بوجھ کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر کھڑے ہو جاؤ اور اپنی سیرت و کردار کو بلند کرتے جاؤ۔ اس طرح جس قدر تم خود بلند ہوتے جاؤ گے، اسی نسبت سے انسانیت اوپر کو اٹھتی چلی جائے گی۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف اقبالؒ نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ۔

بوریا ممنونِ خوابِ راحتش
تختِ کسریٰ زیرِ پائے امتش

اس شہنشاہ بوریا نشینؐ کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک درخشندہ نقش، جہان کشور کشائی و فرمانروائی کے اس عظیم راز کی پردہ کشائی کرتا ہے کہ جو صاحبِ ہمت اس بارِ امانت کو اٹھائے، وہ خود تخت کے اوپر نہ بیٹھے۔ تخت کے اوپر قوم کو بٹھائے اور اس کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا کر اس کی سطح کو بلند کرتا جائے لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ قرآن کی پیش کردہ مستقل اقدار پر انسان کا اٹل ایمان ہو اور وہ زندگی کے اس نقشہ کو اپنا نصب العین قرار دے جسے محمد رسولؐ اللہ والذینؓ معہٗ کے مقدس ہاتھوں نے عملاً مرتب کر کے دکھایا تھا۔ جس دن دنیا نے اس راز کو پالیا اور اس ماڈل کو اپنا مطلوب و مقصود قرار دے لیا۔ یہ جہنم جس میں اس وقت سازی دنیا مبتلائے عذاب ہے۔ جنتِ ارضی سے بدل جائے گا اور زمین سر اٹھا کر آسمان سے کہہ سکے گی کہ

دیدہ آغازم ۔ انجامم نگر!

اور عالمِ ملکوت کی نور پاش فضاؤں سے تبریک و تہنیت کے یہ نغماتِ جانفزا، ساکنانِ ارض کے فردوس گوش بنیں گے کہ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (۳۳/۵۶)

☆☆☆☆☆☆☆

عالمگیر ربوبیت

اس ضمن میں اس حقیقت کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا

چاہئے کہ اسلامی مملکت کی یہ ذمہ داری صرف اپنی مملکت کے افراد تک محدود نہیں۔ اس کا دائرہ بڑا وسیع ہے اور تمام عالم انسانیت کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ ''اپنی مملکت'' تو وہ معمل (لیبارٹری) ہوتی ہے جس میں سب سے پہلے اس نظام کو عمل میں لایا جاتا ہے۔ جوں جوں ان افراد مملکت کی ضروریات پوری ہوتی چلی جاتی ہیں' عالمگیر ربوبیت کے اس دائرے کی حدیں آگے بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اس کا منتہیٰ پوری کی پوری نوع انسانی کی پرورش اور نشوونما ہے۔ اس سلسلہ میں انسان اور انسان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ یہ فرق تو دور حاضر کی قومیت پرستی -- نیشنلزم کی لعنت کا پیدا کردہ ہے جس نے انسانوں کو خود ساختہ معیاروں کے مطابق مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر کے دنیا کو **بعضکم لبعض عدو** کا الم انگیز جہنم بنا رکھا ہے۔ اسلامی نظام اس تفریق کو مٹانے کے لئے وجود میں آتا ہے۔ جس نظام کے سربراہ کا یہ اعلان ہو کہ ''اگر دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر گیا تو اس کی ذمہ داری عمرؓ کے سر ہوگی۔'' اس نظام میں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ جو شخص بھوک سے کراہ رہا ہے وہ اپنی مملکت کا باشندہ ہے یا کسی دوسری مملکت کا۔ وہ اپنی قوم کا فرد ہے یا غیر قوم کا۔ وہ کالا ہے یا گورا۔ وہ عربی ہے یا عجمی۔ وہ مسلمان ہے یا کافر! اس نظام میں اس کی قطعاً تمیز نہیں کی جائے گی۔ اس میں انسان اور انسان میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظام کے لانے والے رسولؐ کا خطاب نہ کسی خاص خطہ زمین کے لوگوں سے تھا' نہ کسی خاص قبیلہ' نسل یا قوم کے افراد سے۔ اس کا خطاب پوری نوعِ انسانی سے تھا جب اس نے کہا تھا کہ

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (۷/۱۵۸)

اے نوع انسان! میں تم سب کی طرف خدا کا پیامبر ہوں۔

اور اسی جہت سے اس رسول کو بھیجنے والے خدا نے اعلان کر دیا تھا کہ

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (۲۱/۱۰۷)

ہم نے تجھے اقوام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

رحمت کے معنی ہیں سامان نشوونما جو بلا مزد و معاوضہ دیا جائے -- اور ''نشوونما'' میں انسان کی جسمانی پرورش اور اس کی انسانی صلاحیتوں کی تربیت اور ارتقاء سب آ جاتے ہیں۔ لہٰذا حضورؐ کے ظہورِ قدسی کا مقصد یہ تھا کہ عالمگیر انسانیت کی اس طرح نشوونما ہوتی جائے کہ صحنِ چمنِ عالم میں کوئی غنچہ بن کھلے مرجھا نہ جائے۔ اسی رحمۃ اللعالمینی کا تقاضا تھا جس کی وجہ سے آپؐ نے روم کے شہنشاہ کو لکھا تھا کہ

اگر تم نے صحیح راستہ اختیار نہ کیا تو تمہاری مملکت میں مظلوم کاشتکاروں پر جو زیادتیاں ہو رہی ہیں اس کا سارا بار تمہاری گردن پر ہوگا اور ہم پر یہ فرض ہو جائے گا کہ ان مظلوموں کو اس ظلم سے بچائیں۔

ہزار ہزار بار سلام و رحمت ہو نوع انسانی کے اس محسن اعظمؐ پر جس نے اپنی عدیم النظیر تعلیم اور فقید المثال عمل سے دنیا کو بتا دیا کہ جو شخص انسانوں کے معاملات سنوارنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے اس کی اپنی زندگی کیسی ہونی چاہئے۔ یہی وہ حیات طیبہ ہے جس کے نقوش زندگی کی شاہراہ پر تابندہ ستاروں کی طرح جگمگ جگمگ کرتے اور کاروانِ انسانیت کو اس کی منزل مقصود کا سراغ دیتے ہیں۔ زمانے کی ریگ رواں پر اگر یہ نقوشِ قدم نہ ہوں تو کوئی راہرو اپنی منزل تک نہ پہنچ سکے۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
بزمِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

پرویز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خواجہ ازہر عباس
فاضل درسِ نظامی

قرآن کی رُو سے فرقہ بندی شرک ہے

قرآن کریم قوموں کے عروج وزوال کے اسباب بیان فرماتا ہے اور گذشتہ اقوام کے حالات بطور استشہاد پیش کرتا ہے کہ سابقہ اقوام کو ان ہی اصولوں کے مطابق عروج وزوال سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ عرب جن ساری اقوام سے بخوبی واقف تھے ان میں سے ایک قوم عاد بھی تھی۔ سورہ ہود میں قوم عاد کے جرائم ومصائب اور حضرت ہودؑ کی تعلیم کی تفصیل بیان کرنے کے بعد قرآن کریم صرف ایک آیت میں ان کی ذہنی پستی اور قلبی خباثت کو اس طرح بیان فرماتا ہے کہ وتلک عاد جحدو ابایت ربھم و عصوا رسلہ و اتبعوا امر کل جبار عنید (۱۱/۵۹)۔ یہ قوم عاد تھی جنہوں نے اپنے پروردگار کے احکام و قوانین سے انکار کیا اور اپنے رسولوں کی دعوت سے سرکشی برتی لیکن (حیرت یہ ہے) کہ اپنے ان سرکش اور ظالم حکام کی اطاعت کرتے رہے جو عمداً حق کی مخالفت کرتے تھے۔ بعینہٖ یہی حالات آج ہم مسلمانوں کے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت کے قیام اور قانون خداوندی کے اجراء سے ابا کرتے ہیں لیکن جو بھی جابر اور ظالم حکمران برسر اقتدار آیا، اس کی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے بالکل رضامند ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے انسان کی حکومت انسان پر مطلقاً حرام قرار دی ہے اور انسانوں کو قانون سازی کا کوئی اختیار نہیں دیا۔ ان الحکم الا للہ (۱۲/۴۰)۔ حکومت سوائے اللہ تعالیٰ اور کسی کو زیب نہیں دیتی۔ لا یشرک فی حکمہ احدا (۱۸/۲۶)۔ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قوانین (قرآن مجید) کے مطابق زندگی بسر کرنے لگیں تو قرآن کے وعدہ کے مطابق وہ تمام اقوام پر غالب بھی ہوں گے اور دیگر تمام اقوام کے نگران بھی۔

مسلمانوں کا عروج وزوال ان کے دین اور نظام کے عروج وزوال کے ساتھ وابستہ ہے۔ مسلمانوں پر ہر حالت میں فرض ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظام کے ماتحت زندگی بسر کریں اور اس کے علاوہ انسانوں کے خود ساختہ قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرنے سے مطلقاً گریز کریں۔ صدر اول میں مسلمانوں کے عروج کا راز بھی اسی میں مضمر تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو متمکن کیا اور اس کے ماتحت زندگی بسر کی۔ جب سے مسلمانوں نے دین خداوندی کو ترک کیا اسی دن سے ان پر زوال وادبار کی ابتدا ہو گئی۔ زندگی کی جتنی پریشانیاں، برائیاں، معائب واسقام ہو سکتے تھے وہ سب امتِ مسلمہ میں در آئے۔ نکبت وافلاس، غربت وجہالت، محکومی ومسکینی، تملق وخوشامد، پریشانی ودرماندگی، مسلمانوں کا شعار

زندگی بن گئے۔ لیکن سب سے بڑی لعنت اور مصیبت جس نے مسلمانوں کو بالکل تباہ حال اور برباد کر دیا وہ ان کا آپس کا افتراق و اشتقاق تھا اور ہے جس نے ایک ہزار سال سے فرقہ بندی کی صورت اختیار کر رکھی ہے اور روز بروز اس کی گرہیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی ہیں۔ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کا دشمن اور خون کا پیاسا ہو گیا ہے اور ایک دوسرے کو قتل تک کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ جو قوتیں اور صلاحیتیں مسلمان دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتے، وہ آپس میں ہی ایک دوسرے کو برباد کرنے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔

قرآن کریم نے فرقہ بندی کو بنصِ صریح شرک قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ منیبین الیہ واتقوہ واقیموا الصلوۃ ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاً، کل حزب بما لدیھم فرحون (۳۰/۳۱)۔ ترجمہ۔ خدا کی طرف رجوع رکھو اور اس سے ڈرو، نماز کی پابندی کرو اور شرک کرنے والوں میں سے مت ہو جانا کہ انہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور بہت سے گروہ ہو گئے اور ہر گروہ اپنے اس طریقہ پر نازاں ہے جو اس کے پاس ہے۔ اس آیت کریمہ کی رو سے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور خود گروہ در گروہ ہو جانا شرک ہے جس سے اجتناب لازمی ہے اور قرآن کریم نے فرقہ بندی کو جو شرک قرار دیا ہے تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دین میں تو آخری سند قرآن کریم ہوتا ہے، جو اللہ کی کتاب ہے، لیکن فرقہ بندی کے بعد ہر شخص اپنے فرقہ کا پابند ہوتا ہے اور ہر فرقہ میں آخری سند وہ ذات ہوتی ہے جس کی نسبت سے وہ فرقہ بنتا ہے۔ اس لئے فرقہ بندی میں آخری سند قرآن کے ساتھ اس فرقہ کی منتسب الیہ ذات بھی شامل ہو جاتی ہے اس لئے وہ فرقہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ ایک دوسری جگہ ارشاد عالی ہے ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شئی (۶/۱۵۹)۔ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں (ترجمہ مولانا اشرف علی) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ کی تعلیمات کے مطابق تو ایک امت واحدہ بنتی ہے۔ یہ الگ فرقہ بنانے والے ایک متوازی دین کے متبع ہو گئے۔ اس لئے ان کا تعلق رسول اللہؐ سے نہیں رہتا۔ تاکید مزید کے طور پر قرآن کریم نے سورہ آل عمران میں نہایت پرشکوہ الفاظ میں فرمایا واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا (۳/۱۰۳)۔ تم سب مل کے قرآن کریم کو مضبوطی سے تھامے رہو اور فرقوں میں تقسیم نہ ہو جانا۔ یہ وہ آیتِ کریمہ ہے جو ہمارے دین کی اساسِ محکم اور بنیانِ مرصوص ہے۔ اسی میں ہماری ترقی و عروج کا راز پنہاں ہے اور اسی سے خود دین کا استحکام و تمکن ممکن ہے۔ یہ حبل اللہ ہی وہ محکم سہارا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ یہ وہ ضابطہ حیات ہے جو کبھی دھوکا نہیں دے سکتا اور یہ کسی مقام و زماں، قوم خطہ سے مخصوص نہیں۔ ذہن انسان کے خود ساختہ قوانین زمانے کے تقاضوں کی وجہ سے فرسودہ ہو سکتے ہیں لیکن یہ ضابطہ خداوندی ہر زمانے کا ساتھ دے سکتا ہے اور تمام حدود و قیود اور امتیازات سے ماورا اور بالاتر ہے۔ اس کے اصول ابدی اور مستقل اقدار ہیں جن میں کبھی کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں ہو سکتی۔ اسی آیت مجیدہ پر ذرا سا غور کرنے سے خود بخود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ آیت بہت پرزور، موثر اور اپنے مفہوم پر بہت اصرار کرنے والی ہے۔ آیت کا ایک حصہ اللہ پر دوسرا حصہ نبی پر مبنی ہے تاکہ اپنے

مفہوم اور حکم پر سخت تاکید کر سکے۔ قرآن کریم کو تھامے رہو اور فرقہ بندی نہ کرو۔ آیت سے واضح ہے کہ فرقہ بندی صرف اس صورت میں ہوتی ہے، جب حبل اللہ چھوڑ دی جائے۔ جب تک اللہ کی رسی کو تھامے رہیں گے، فرقہ بندی نہیں ہو سکتی۔ فرقہ بندی کو قائم رکھتے ہوئے اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھنا محض اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ آیت کے الفاظ اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ فرقہ بندی سے بچنے کا واحد ذریعہ قرآن کریم کو مضبوطی سے تھامے رکھنا ہے۔ اس آیت سے یہ بات بخوبی واضح اور روشن ہے کہ فرقہ بندی کرنے والوں کا کوئی تعلق قرآن سے نہیں رہتا کیونکہ فرقہ بنتا ہی جب ہے کہ جب قرآن کو چھوڑ دیا جائے۔

ان تینوں آیات کریمات سے واضح ہوا کہ فرقہ بندی کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور قرآن کریم میں سے کسی سے کوئی تعلق برقرار نہیں رہتا۔

قرآن کریم کی رو سے فرقہ بندی نہ صرف کفر اور شرک ہے بلکہ اس کا نتیجہ تباہی، بربادی اور رسوا کن عذاب ہے۔ سورہ آل عمران میں ارشاد گرامی ہے ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء ھم البینت واولئک لھم عذاب عظیم (۳/۱۰۴)۔ خبردار رہو تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح ہدایت آجانے کے بعد آپس میں تفرقہ اور اختلاف پیدا کر لیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بہت بڑے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ یہاں قرآن کریم نے اختلاف اور فرقہ بندی کا نتیجہ عذاب عظیم قرار دیا ہے اور جو عذاب اس کے نتیجہ میں وارد ہوتا ہے اس کی مختلف شکلیں ہیں جو قرآن کریم نے مختلف مقامات پر بیان فرمائی ہیں۔ بھوک، پیاس، تکلیف، خوف وحزن، خانماں خرابی، سب کے لئے قرآن کریم میں عذاب کا لفظ آیا ہے۔ قرآن کریم نے ان تمام سختیوں، تکلیفوں کے لئے جو فرعون کی قوم غالب نے اپنی محکوم قوم بنی اسرائیل پر روا کر رکھی تھیں عذاب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ (۲/۴۷)۔ سورہ بقرہ میں مفلحون کے مقابلہ میں لھم عذاب عظیم (۲/۷)۔ لا کر واضح کر دیا کہ عذاب کے ملنے سے زندگی کی خوشگواریوں سے محرومی و ناکامی، ذلت وخواری، محکومی و عاجزی، افلاس، غربت، ان تمام صفات کو قرآن کریم نے مختلف مقامات پر عذاب سے تعبیر کیا ہے اور چونکہ فرقہ بندی کا نتیجہ عذاب عظیم ہے۔ اس لئے یہ تمام صفات منطقی طور پر فرقہ بندی کے نتیجہ میں حاصل ہونا لازمی ہیں اور قرآن کریم کی تنزیر کی صداقت ہم سب کے سامنے ہے کہ ہم میں فرقہ بندی اور تفرقہ اندازی کی وجہ سے وہ سارے معائب واسقام موجود ہیں جو قرآن کریم نے فرقہ بندی کے نتیجہ میں لفظ عذاب کے ضمن میں شمار کرائے ہیں۔

قرآن کریم نے اسلام کو ملتہ ابراہیم کہا ہے (۲/۱۳۵) یعنی وہ طریقہ جسے وحی خداوندی کی رو سے حضرت ابراہیمؑ نے اختیار کیا تھا۔ دوسری جگہ فرمایا ملتہ ابیکم ابراہیم ھو سمکم المسلمین من قبل وفی ھذا (۲۲/۷۸) تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو، اس نے تمہارا لقب مسلمان رکھا ہے، نزول قرآن سے پہلے بھی اور قرآن میں بھی۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ ہم حضرت ابراہیم کی ملت ہیں۔ انہوں نے ہی ہمارا نام "مسلم" رکھا ہے جو ان کے وقت سے لے کر آج تک ہمارا نام ہے، اس کے علاوہ کسی بھی دوسرے نام سے موسوم کرنا اور کسی تشخص سے خود کو معروف کرنا قرآن کریم کے خلاف

ہے۔اس کے علاوہ یہ تاکید بھی فرمائی کہ فلا تموتن الا وانتم مسلمون (۲/۱۳۲) پس تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔انسان کی آخری حالت موت کی ہی ہوتی ہے جس میں ہر انسان چاہتا ہے کہ ایسی حالت میں فوت ہو کہ اس کا پروردگار اس سے راضی ہو۔اس آخری حالت کے لئے بھی یہ تاکید ہے کہ اس وقت بھی سوائے مسلمان ہونے کے اور کوئی حالت نہ ہونی چاہئے۔

قرآن کریم نے فرقہ بندی کی اس قدر مذمت وتنقیص کی کہ اسے شرک ٹھہرایا اور قرآن کریم کی رو سے فرقہ بندی کرنے والوں کا کوئی تعلق نہ اللہ تعالیٰ سے ہے' نہ رسول اللہ سے' اور نہ ہی قرآن کریم سے باقی رہتا ہے۔اس کی وجہ سے اس دنیا میں بھی رسوائی اور آخرت میں بھی خجالت' لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں یہ فرقہ بندی ایک ہزار سال سے چلی آ رہی ہے اور مسلمان اس کو تسلیم (Recognise) کرتے چلے آ رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر حیرت و استعجاب اس بات پر ہے کہ ہماری پیشوائیت بھی اس کو تسلیم کرتی ہے اور کبھی اس کے خلاف ایک لفظ نہیں کہتی بلکہ خود اپنے کو کسی نہ کسی فرقہ سے متعلق قرار دیتی ہے۔وہ صرف اس بات کے خلاف ہے کہ آپس میں تصادم وتزاحم نہ ہو اور ملک میں اس کی وجہ سے فساد برپا نہ ہو اگر مختلف فرقے آپس میں رواداری' محبت وتعاون سے زندگی بسر کر لیں تو ہماری پیشوائیت کو فرقہ بندی سے قطعاً کوئی تعرض نہیں ہے۔اتحاد بین المسلمین کے معنی ہی یہی ہیں کہ مختلف فرقے آپس میں ایک دوسرے سے اتحاد رکھیں اور باہمی تزاحم وتصادم سے اجتناب کریں لیکن اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی رو سے فرقہ بندی منع ہے اور شرک ہے۔خواہ وہ آپس میں محبت ومودت ہی سے کیوں نہ رہیں۔فرقہ بندی چونکہ ہم نے قبول کی ہوئی ہے اس لئے اس کے اثرات' عقائد کے علاوہ تفسیر' حدیث' تاریخ سب میں ہی سرایت کئے ہوئے ہیں اور ہر فرقے نے عقائد کے اختلاف کے علاوہ تفسیر' حدیث' تاریخ کو بھی متاثر کیا جس کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

قرآن کریم نے قرآن فہمی کے اصول وضوابط خود متعین فرمائے ہیں جن کے مطابق اگر قرآن کریم کو سمجھا جائے تو دو اور دو چار کی طرح قرآن کریم خود سمجھ میں آتا چلا جاتا ہے۔منجملہ دیگر اصولوں کے قرآن فہمی کا پہلا اصول جو خود قرآن نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے تصریف آیات ہے انظر کیف نصرف الایت لعلھم یفقھون (۶/۶۵) (ترجمہ) دیکھئے تو سہی ہم کس طرح آیات کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ ان کو سمجھ جائیں۔حضورؐ کے متعلق بھی بیان فرمایا کہ حضورؐ کا طریقہ بھی قرآن فہمی کا تصریف آیات ہی تھا۔وکذلک نصرف الایت ولیقولوا درست ولنبینہ لقوم یعلمون (۶/۱۰۵) (مفہوم) اور اے رسول ہم اسی طرح آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں (تاکہ آپ تصریف آیات کے ساتھ درس دیا کریں) اور تاکہ لوگ کہہ اٹھیں کہ آپ نے خوب سمجھا دیا (اور تصریف آیات کی دوسری غرض یہ ہے) تاکہ ہم عقلمندوں کے لئے اپنی آیتوں کی خود تبیین کر دیں۔فلہٰذا ثابت ہوا کہ رسول اکرم اس قرآنی حکم کے مطابق تصریف آیات ہی کے ذریعے درس قرآن دیا کرتے تھے یعنی آپ کا طریقہ تفقہ بھی تصریف آیات ہی تھا لیکن ہمارے ہاں کی تفاسیر میں اس قدر اہم طریقہ جو خود حضور کی سنت بھی ہے بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔آپ کسی معروف تفسیر کو اٹھا کر دیکھ لیں' اس اصول کو کسی مفسر نے بھی پیش نگاہ نہیں رکھا بلکہ اس کے بجائے شان نزول کو

قرآن فہمی کا اہم اصول شمار کیا گیا ہے، جو ہر مفسر نے اپنے پیش نگاہ رکھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تصریف آیات سے کسی فرقہ کی تائید مشکل تھی۔ شان نزول کی وجہ سے مختلف فرقوں کی تائید آسانی سے مہیا ہو جاتی ہے۔ شان نزول مختلف ہونے سے آیت کا مفہوم ہی بالکل مختلف ہو جاتا ہے مثلاً جو آیات مجموعی طور پر صحابہ کی تعریف و توصیف میں وارد ہوئیں اور جن کا تعلق کسی بھی خاص شخصیت سے نہیں تھا شان نزول نے ان آیات کو مختلف حضرات کے متعلق قرار دے دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک فرقہ نے ان سے کسی کی تعریف مقصود لی اور دوسرے فرقے نے کسی دوسرے صاحب کی۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک ہی آیت کے دو دو تین تین شان نزول بیان کر دیئے گئے۔ قرآن کریم عالمگیر ضابطہ حیات ہے (۱/۲۸)۔ اس کے احکام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہیں لیکن شان نزول کی وجہ سے قرآنی احکام کی عمومیت کو جو قیامت تک کے لئے پوری نوع انسانی کے لئے تھی صرف چند افراد تک محدود کر دیا گیا ہے۔ آپ سارا قرآن کریم پڑھ جائیں، ہر ایک آیت کسی نہ کسی شخصیت یا کسی نہ کسی واقعہ سے متعلق کر دی گئی ہوگی (مثالیں آگے آتی ہیں) اور اس کی عمومیت ختم کر دی جاتی ہے۔ اس طرح شان نزول کا عقیدہ نہ صرف قرآن کریم کے سمجھنے میں ایک رکاوٹ ہے بلکہ اس سے فرقہ بندی کو ہوا ملتی ہے اور صرف فرقہ بندی کی تقویت کے لئے ہی اس کو ایجاد کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں حضورؐ کو کفار کے لئے طلبِ مغفرت کرنے سے منع کیا گیا ہے فرمایا استغفر لھم اولا تستغفر لھم، ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم (۹/۸۰) (مفہوم) اے رسول ان منافقین کے لئے آپ مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، ہمارے لئے برابر ہے۔ اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی مغفرت طلب کریں گے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں کرے گا۔ آیت کریمہ اتنی صاف اور واضح ہے کہ ہر شخص اس کا مفہوم با آسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس میں حضورؐ کو منافقین کے لئے مغفرت طلب کرنے سے منع فرمایا گیا ہے کہ حضورؐ اگر ان کے لئے طلبِ مغفرت کر بھی لیں تو وہ بے سود ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں فرمائے گا۔ اس وضاحت کے بعد اب آپ ایک اور آیت کا شانِ نزول ملاحظہ فرمائیں۔

عبداللہ نافع بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی (منافق) جب فوت ہوا تو اس کا بیٹا، حضورؐ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ، ہمیں اپنا کرتہ عنایت فرما دیں کہ ہم اس کا کفن بنائیں اور آپؐ اس پر (جنازے کی) نماز پڑھائیں اور اس کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ نبی صلعم نے اس کو اپنا کرتہ عنایت کیا اور فرمایا کہ مجھے خبر دینا تو میں نماز پڑھا دوں گا۔ جب آپ نے اس پر نماز پڑھانے کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے آپ کو کھینچا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین پر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ (۹/۸۰)۔ آپ نے فرمایا مجھے دونوں باتوں کا اختیار دیا گیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ) تم ان کے لئے دعا مغفرت کرو یا نہ کرو۔ اگر تم ان کے لئے ستر بار بھی دعائے مغفرت کرو گے تو بھی اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا۔ چنانچہ آپ نے اس پر نماز پڑھی تو یہ آیت اتری ولا تصل علی احد منھم مات ابدا (۹/۸۴) اور ان میں سے کسی پر کبھی نماز نہ پڑھنا جب وہ مر جائیں (بخاری شریف قرآن محل کراچی جلد اول صفحہ ۴۸۵)۔ یہ ہے ولا تصل علی احد منھم مات ابدا کا شان نزول کہ آیت کریمہ لا

تستغفر لھم کے انداز بلاغت سے حضرت عمرؓ تو یہ بات سمجھ گئے کہ حضور ﷺ کو منافقین کے لئے دعائے مغفرت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا بلکہ ان کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے منع کیا گیا ہے لیکن خود حضورؐ نے قرآنی انداز فصاحت و بلاغت سے الٹا مفہوم اخذ فرمایا کہ "استغفر لھم او لا تستغفر لھم" کے الفاظ میں آپ کو منافقوں کے لئے طلبِ مغفرت کرنے یا نہ کرنے کے دونوں اختیار عطا فرمائے گئے ہیں اور اس غلط اخذ شدہ مفہوم کی بناء پر حضرت عمرؓ کے منع کرنے بلکہ مصلے پر سے کھینچنے کے باوجود آیت نمبر (۹/۸۰) کی مخالفت کا ارتکاب کر جائیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے فہم کی تصدیق اور حضورؐ کے فہم کی تردید کرتے ہوئے اس امر کی وضاحت کے لئے کہ آپ نے (۹/۸۰) کا مفہوم درست نہیں سمجھا' یہ آیت کریمہ ولا تصل علی احد منھم نازل فرمائی۔

ایک اور آیت کریمہ مع ترجمہ کے ملاحظہ فرمائیں۔

وان کنتم مرضی او علی سفر اوجاء احد منکم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیداً طیبا فامسحوا بو جوھکم وایدکم منہ۔ ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج (۵/۶) (ترجمہ) اگر تم بیمار ہو یا تم سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آئے یا بیوی سے لمس کرے اور پانی نہ پائے تو آلائش کو پاکیزہ مٹی کے ساتھ صاف کر لیا کرو اور منہ اور ہاتھوں سے گرد و غبار پونچھ لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی کا ارادہ ہرگز نہیں رکھتا۔ آیت کریمہ بالکل صاف ہے۔ قرآن کریم ہر مسئلے کی ضروری تفصیل کے ساتھ ساتھ بیان کرتا چلا جا رہا ہے۔ کسی قسم کا کوئی ابہام و اشکال نہیں ہے۔ معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی اس آیت کو بخوبی سمجھ کے اس پر عمل کر سکتا ہے لیکن اب اس کا شان نزول ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اکرم صحابہ کرامؓ کے ہمراہ ایک سفر میں تھے۔ قافلہ ایسے مقام پر تھا جہاں پانی موجود نہیں تھا۔ قافلے کو روانگی کا حکم ہوا چنانچہ کوچ ہونے والا تھا کہ حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا۔ ہار کی تلاش میں نماز کا وقت تنگ ہو گیا۔ صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو طعنے دینے شروع کر دیئے کہ دیکھیں آپ کی بیٹی نے کیا کیا۔ نماز کا وقت جا رہا ہے' پانی یہاں ہے نہیں اور اس نے قافلہ کو روک دیا ہے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے انہیں بہت سخت و سست کہا لیکن انہوں نے اس لئے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ حضورؐ ان کے زانو پر سر رکھ کر سوئے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ صحابۂ رسولؐ اور اپنے والد بزرگوار کے طعنوں کو زہر کا گھونٹ کر کے پی گئیں تو اس وقت تیمم کا حکم نازل ہوا کہ پانی نہ ہو تو تیمم کر لیا کرو۔ (ملخص بخاری شریف' قرآن محل' صفحہ ۷۷۰)

آیت بالکل واضح ہے۔ کسی تفسیر یا شان نزول کی ضرورت نہیں۔ لیکن شان نزول نے ناموس رسالت و عزت صحابہ کو مجروح کیا۔

عقلی اعتبار سے بھی شان نزول کا تصور درست معلوم نہیں ہوتا۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی منشاء و تدبیر کے مطابق نازل ہوا ہے۔ اگر بالفرض وہ واقعہ پیش نہ آتا تو کیا وہ آیت نازل نہ ہوتی یا اگر واقعات زیادہ پیش آ جاتے یا ان سے مختلف نوعیت کے پیش آتے تو کیا اس سے زیادہ آیات کا نزول ممکن تھا۔ یہ نظریہ عقل کی میزان پر پورا نہیں اترتا۔ قرآن کریم کے نجماً نجماً نازل ہونے پر کفار اعتراض کرتے تھے کہ قرآن یکمشت کیوں نہیں نازل ہو گیا۔ سورہ

فرقان میں ان کا اعتراض اور ان کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے جبکہ فرمایا وقال الذین کفروا لولا نزل علیه القران جملته واحدة کذلک لنثبت به فوادك و رتلنه ترتیلا (۳۲/۲۵) (مفہوم) اور جو لوگ اس ضابطہ حیات سے انکار کرتے ہیں ان کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ قرآن کریم پورے کا پورا بیک وقت کیوں نہ نازل کر دیا گیا (تاکہ اس کی مجموعی تعلیم شروع میں ہی معلوم ہو جاتی) اے رسول اس قرآن کو اس لئے بتدریج نازل کیا کہ اسکے وقتاً فوقتاً نازل ہونے سے آپ کے دل کو تقویت رہے اور ہم نے اس کی بہترین ترتیب دی ہے۔ اس آیت مبارکہ سے بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ قرآن کریم ایک خاص پروگرام اور ترتیب کے مطابق نازل ہوا ہے۔ یہ Haphazardly نازل نہیں ہوا اور اس کے نزول سے کسی بھی واقعہ یا شخصیت کا کوئی تعلق نہیں تھا اور قرآن فہمی کے لئے شان نزول معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

تفسیر کے بعد اسی طرح روایات' جن میں احادیث رسول کہا جاتا ہے فرقہ بندی کی زد میں آئیں۔ مختلف فرقوں نے اپنے اپنے ذخیرے جمع کئے۔ ان حضرات نے لاکھوں حدیثوں میں سے جن احادیث کا انتخاب کیا' وہ انتخاب ان کی ذاتی بصیرت اور فیصلے کا نتیجہ تھا۔ ان روایات کے صحیح ہونے کے متعلق نہ تو ان کے پاس خدا کی سند تھی اور نہ ہی اس کی سند حضورؐ نے عنایت فرمائی تھی۔ نہ ہی ان کے پاس پہلے کا کوئی تحریری ریکارڈ (Written Material) تھا جس سے انہوں نے ان روایات کا انتخاب کر لیا ہو۔ لوگوں کی زبانی باتیں تھیں جنہیں انہوں نے اپنے عقائد و میلانات و ترجیحات کے مطابق چھان پھٹک کر کے اپنے مجامیع میں شامل کیا۔ ان میں سے بیشتر وہ تھیں جو ان کے عقائد کو تقویت دیتی تھیں۔ اسی وجہ سے مختلف فرقوں کی مختلف کتب احادیث مرتب ہوئیں۔ صحاح ستہ اور کتب اربعہ کی احادیث کو آپ ایک نظر مطالعہ فرمائیں۔ مشکل سے کوئی قدر مشترک ملے گی۔ قرآن کریم سے تو فرقہ بندی کو کوئی تقویت نہیں ملتی البتہ احادیث کے مجموعے اپنے اپنے فرقوں کو نہ صرف تقویت دیتے ہیں بلکہ فرقہ بندی کو بھی جائز قرار دیتے ہیں جو قرآن کریم کے بالکل خلاف ہے اور تصریف آیات کے بجائے احادیث کے ذریعے جب آیات کی تفسیر کی جاتی ہے تو اور بھی فرقہ پرستی میں اضافہ ہوتا ہے۔

شان نزول اور احادیث سے اگرچہ فرقہ بندی کو خوب خوب فروغ حاصل ہوا اور اب بھی انہیں کے سہارے فرقہ بندی قائم ہے۔ لیکن جس چیز نے اس سے بھی زیادہ فرقہ بندی کو مضبوط کیا وہ یہ نظریہ تھا کہ حضور کو قرآن کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اور وحی ہوتی تھی اور وہ وحی' وحی خفی تھی اور موجودہ احادیث کے ذخیرے بھی وحی خفی ہی ہیں۔ وحی جلی کو وحی متلوء اور وحی خفی کو وحی غیر متلوء کہتے ہیں۔ حالانکہ وحی الٰہی صرف قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ خارج از قرآن وحی کا تصور بالکل باطل ہے۔ مسلمانوں کے زوال کا وہ پہلا دن تھا جس دن یہ نظریہ قائم کیا گیا کہ کچھ وحی تو قرآن کے اندر ہے اور کچھ وحی قرآن کے باہر۔ احادیث میں ہے یہ عقیدہ اپنے اپنے نظریات کو جائز قرار دینے اور انہیں Justify کرنے کے لئے قائم کیا گیا اور اس نے مسلمانوں میں ایک مستقل عقیدہ کی شکل اختیار کر لی اور ان کے زوال و ادبار کا باعث بنا۔ اس سے ایک ایسا دروازہ کھل گیا کہ ہر عقیدہ کو وحی الٰہی قرار دے کر حضورؐ کی طرف منسوب کر دیا گیا لیکن قرآن حکیم سے اس عقیدہ کی کوئی سند نہیں

کا دعویٰ ہے کہ جب تم مشکلات میں گھر جاؤ اور کوئی راہ نکلنے کی نظر نہ آئے تو قرآن کریم سے راہنمائی حاصل کرو۔ وہی حلال المشکلات اور مشکل کشا ہے۔ وقال ربکم ادعونی استجب لکم (۶۰/۴۰) اور تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست کا جواب دوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا جواب اس کے کلام' قرآن کریم سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

قرآن کریم کے مطابق مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے علاوہ کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ ان الحکم الا للہ (۶/۵۷) حکومت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ ہر شخص سے کلام نہیں کرتا اس لئے اس نے اپنے انبیاء کرامؑ کے ذریعے اپنے احکامات اپنی کتابوں میں نازل فرمائے تاکہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جا سکے۔ آخری کتاب قرآن کریم حضورؐ کے توسط سے انسانیت کو عطا کی گئی اور چونکہ حضورؐ نے قرآن کریم کے مطابق حکومت قائم فرمائی اور حضورؐ اس کے اولین سربراہ تھے' اس لئے حضورؐ کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت قرار پائی۔ فرقہ بندی کے انسداد اور قرآن فہمی کے لئے یہ نکتہ بہت اہمیت کا حامل ہے اور اس کا سمجھنا از بسکہ ضروری ہے کہ قرآن کریم اپنی اصطلاحات خود وضع کرتا ہے۔ صلوٰۃ' زکوٰۃ' حج' تقویٰ' دین' طاغوت' فی سبیل اللہ وغیرہ یہ سب عربی زبان کے الفاظ ہیں جو نزول قرآن سے پیشتر سے عربوں میں متداول تھے لیکن قرآن کریم ان کو اپنے معانی پہنا کر اپنی اصطلاحات کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح ''اللہ و رسول'' کے الفاظ قرآن کریم اپنی ایک مخصوص جامع اور اہم اصطلاح کے طور پر استعمال فرماتا ہے چونکہ اللہ و رسول کے دو الگ الگ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اس لئے ہمارے ہاں عام طور پر اس سے مراد دو الگ الگ اطاعتیں قرار دی جاتی ہیں اور اللہ کی اطاعت سے مراد قرآن کریم کی اطاعت اور رسول کی اطاعت سے احادیث کی اطاعت مراد لی جاتی ہے۔ اس طرح عملاً رسول کا ترجمہ احادیث قرار پاتا ہے اور چونکہ احادیث مختلف فرقوں کی مختلف ہیں اس لئے اللہ و رسول کی اطاعت بھی مختلف طریقوں سے ادا کی جانے لگی اور یہیں سے فرقہ بندی کا آغاز ہوتا ہے جو آج تک قائم ہے لیکن قرآن کریم میں ذرا سا بھی غور و تفحص کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم نے اللہ و رسول کے الفاظ دو الگ الگ مطاعوں (جن کی اطاعت کی جائے) کے لئے استعمال نہیں کئے بلکہ اس سے مراد اسلامی حکومت کی آخری اتھارٹی ہوتی ہے۔ حضورؐ چونکہ اسلامی حکومت کے سربراہ تھے اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے احکامات نافذ ہو رہے تھے اس لئے ان کی اطاعت میں اللہ و رسول دونوں کی اطاعت مضمر تھی۔ قرآن کریم کے مطابق اللہ و رسول کی اطاعت سے مراد اسلامی نظام کے حاکم اعلیٰ کی اطاعت ہوتی ہے اور یہ ایک اطاعت ہے اور اس کے لئے قرآن کریم سے متعدد آیات پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن چونکہ اس مضمون کا موضوع یہ نہیں ہے' اس لئے صرف چند آیات بطور ثبوت کے پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ جنگ احد میں جب مسلمانوں کی فوج پراگندہ ہوگئی اور حضورؐ بالکل تن تنہا رہ گئے تو آپ نے صحابہ کرامؓ کو آواز دی جس پر وہ دوبارہ حضورؐ کے گرداگرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے۔ بظاہر یہ آواز حضورؐ کی تھی لیکن چونکہ یہ حضورؐ کا ذاتی بلاوا نہیں تھا بلکہ آپ نے بحیثیت سربراہ مملکت اسلامیہ یہ آواز دی تھی' اس لئے اس آواز کو اللہ و رسول کی آواز قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد گرامی ہے ''الذین استجابو للہ و الرسول من بعد ما اصابھم

القرح للذین احسنوا منهم واتقوا اجر عظیم" (۳/۱۷۲) ترجمہ۔ جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد خدا اور رسول کا کہنا مانا ان میں سے جن لوگوں نے نیکی اور پرہیزگاری کی ان کے لئے بڑا ثواب ہے۔

۲۔ اس نظام کے خلاف بغاوت کر کے فساد کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ اللہ و رسول کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہیں۔

انما جزء والذین یحاربون الله و رسوله و یسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیهم او ارجلهم من خلاف او ینفو من الارض (۵/۳۳)۔

ترجمہ۔ جو لوگ خدا اور اس کے رسول سے لڑتے بھڑتے اور امر (کام) کو نہیں مانتے اور فساد پھیلانے کی غرض سے ملکوں ملکوں دوڑتے پھرتے ہیں ان کی سزا ایسی ہی ہے کہ یا تو مار ڈالے جائیں یا انہیں سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں ہیر پھیر کے کاٹ ڈالے جائیں یا انہیں اپنے (وطن کی) سرزمین سے شہر بدر کر دیا جائے۔ (ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب)

اس آیت کریمہ میں اللہ و رسول سے مراد اسلامی نظام ہے اور اللہ و رسول سے محاربہ کا مطلب اسلامی نظام سے محاربہ کرنا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کون لڑ سکتا ہے۔

۳۔ ان الذین یوذون الله و رسوله لعنهم الله فی الدنیا و لاخرة (۳۳/۵۷)

ترجمہ۔ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے۔

اس آیت مجیدہ میں اگر اللہ سے مراد ذات خداوندی اور رسول سے حضور ﷺ کی ذات مراد لے لی جائے تو بات بالکل مبہم ہو جاتی ہے۔ رسول کو تو اذیت دی جا سکتی ہے کیونکہ وہ انسان تھے اور اردگرد کے لوگوں کی ان تک رسائی تھی کہ ہر طرح کی تکلیف ان کو دی جا سکتی تھی اور عملاً دی بھی گئی لیکن اللہ تعالیٰ کو تکلیف دینے کی بات سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ وہ انسان کی رسائی سے باہر ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دینے سے مراد نظامِ خداوندی کو نقصان دینا ہے۔

ایک آیت کریمہ اس بارے میں اتنی روشن اور بین ہے کہ اس بات کے ثبوت میں صحتِ قاطعہ کا درجہ رکھتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

ومن یخرج من بیته مهاجراً الی الله و رسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله وکان الله غفوراً رحیماً (۴/۱۰۰)

ترجمہ۔ اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہوا کہ اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کروں گا پھر اس کو موت آ پکڑے تب بھی اس کا ثواب ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے بڑے رحمت والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ کوئی جگہ اس کے وجود سے خالی نہیں ہے۔ اس آیت میں اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کئے جانے سے سوائے اسلامی حکومت (مدینہ) کی طرف ہجرت کرنے

کے اور کوئی مفہوم نکل ہی نہیں سکتا اور اللہ و رسول کی اصطلاح اسلامی حکومت کے لئے استعمال ہوئی ہے۔

اللہ و رسول کے دو الفاظ ہیں لیکن چونکہ قرآن کریم نے اس کو اپنی ایک اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے (بوجہ اختصار جس کی صرف چار مثالیں پیش خدمت کی جا چکی ہیں) اس لئے دوسرے مقامات پر ضمیر واحد لا کر بخوبی روشن کر دیا گیا ہے کہ یہ دو اطاعتیں (قرآن و حدیث) نہیں ہیں بلکہ یہ صرف ایک اطاعت ہے اور اس سے مراد اسلامی نظام کی مرکزی اتھارٹی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

یحلفون باللہ لکم لیرضوکم واللہ و رسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مومنین (۹/۶۲)۔

ترجمہ۔ یہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو راضی کر لیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ سچے ہیں تو اس کو راضی کر لیں۔

یہاں اللہ و رسول کے لئے ضمیر تثنیہ نہیں بلکہ یرضوہ میں ضمیر واحد لائی گئی ہے۔ واحد حرف لا کر انہیں ایک شمار کرنے سے صرف یہ واضح کرنا ہے کہ جملہ اللہ و رسول اصطلاح کے طور پر کسی ایک چیز کے لئے لایا گیا ہے جو صرف ایک ہے اور دو نہیں۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ ''اغنھم اللہ و رسولہ من فضلہ'' (۹/۷۴) ترجمہ۔ انہیں اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

یعنی اس واحد مرکزی نظام نے جو حضور نے اللہ کے حکم کے مطابق قائم کیا ہے اس نے انہیں غنی کر دیا۔ فضلہ میں ضمیر واحد لا کر دونوں الفاظ اللہ اور رسول کو بطور ایک اصطلاح استعمال کر کے ایک قرار دیا گیا ہے۔

جب تک یہ اطاعتیں ایک رہیں اور اسلام بطور دین کے قائم رہا اور قرآن کریم بطور ضابطہ حیات اس میں نافذ رہا اور اس دین کی اطاعت ہی اللہ اور رسول کی اطاعت شمار کی جاتی رہی' اس وقت تک مسلمانوں میں نہ کسی قسم کا تفرقہ تھا اور نہ ہی کوئی مذہبی فرقہ راہ پا سکا۔ مذہبی فرقہ بننے کا امکان ہی نہیں تھا کیونکہ اس نظام کی اطاعت سب پر لازمی تھی۔ جو اسلامی حکومت کے مرکز کی طرف سے حکم جاری ہوتا' اس کا اطلاق ایک ایک شہری پر لازمی تھا اور اس کی اطاعت سب پر فرض تھی اور اس کی اطاعت ہی اللہ و رسول کی اطاعت تھی لیکن جب نہ صرف مسلمانوں بلکہ انسانیت کی بدقسمتی سے دین کا نظام ختم ہوا اور ان اطاعتوں سے بجائے ایک اطاعت کے دو اطاعتیں شمار کی جانے لگیں تو مسلمانوں میں فرقہ بندی کی ابتداء ہو گئی۔ فرقے مذہب میں ہوتے ہیں' دین کے نظام میں تو فرقہ بندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے جس دن سے اللہ اور رسول کی اطاعت کا غلط مفہوم لینا شروع کیا گیا وہ ہی مسلمانوں کے ادبار کا پہلا سنگ میل تھا۔ سب سے پہلے دین اور دنیا کی تفریق پیدا ہوئی اور مختلف حضرات اور مختلف گروہوں کے نزدیک اللہ و رسول کی اطاعت کا مفہوم مختلف ہو گیا اور اسی اختلاف کی وجہ سے فرقے بن گئے اور امتداد زمانہ سے ان میں مزید استحکام پیدا ہوتا چلا گیا چونکہ حکومت کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت نہیں رہی اور اللہ و رسول کی اطاعت انفرادی قرار دی جانے لگی' اس لئے اللہ و رسول کی اطاعت کے لئے مختلف فقہ بنے اور ہر فقہ کے متبعین دوسرے فقہ کے پیروکاروں کو گمراہ سمجھنے لگے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں میں تفریق فقہ کے اختلاف پر مبنی ہے۔ ایک فقہ کے متبعین کا ایک فرقہ ہے اور دوسرے فقہ کے متبعین دوسرا فرقہ شمار ہوتے ہیں اور فقہ کے اختلاف کی وجہ سے ہی آپس میں اس قدر بغض و عناد ہے۔

عقائد کا تعلق دنیا میں عملی زندگی پر براہ راست کم پڑتا ہے جو واقعات تاریخ اسلام میں گزر چکے' ان کو نہ تو کوئی مٹا سکتا (Un-do) ہے اور نہ ہی ان کا کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ ہماری روز کی زندگی میں جس چیز کا اثر سب سے زیادہ پڑتا ہے اور جس سے کشیدگی میں اضافہ ہوتا ہے وہ فقہ کا ہی اختلاف ہے۔ وہی ہماری عبادات پر حاوی ہے اور اسی کی بنیاد پر عدالتوں میں فیصلے ہوتے ہیں اور انہیں کو عدالتوں میں نظائر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے لیکن ہماری فقہ جس کو ہم سب اس قدر اہمیت اور تقدس دیتے ہیں اس کی اصل صورت حال یہ ہے کہ اس کا بیشتر حصہ قرآن کریم کے خلاف ہے اور اس پر غور کرنے کے سلسلہ میں چند امور توجہ طلب ہیں۔

اولاً جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے یہ تمام فقہ بنو عباس کے دور میں مدون ہوئے تھے اور وہ دور بادشاہت' پیشوائیت' جاگیرداری' استحصال' سرمایہ داری کا دور تھا۔ بادشاہت کی وجہ سے سخت استبداد تھا' فکر کی آزادی بالکل مسلوب تھی۔ اقلیتوں' مزدوروں' کسانوں' غریبوں' بچوں کے حقوق کا کوئی تصور نہیں تھا خصوصاً عورتوں کے حقوق کا بالکل فقدان تھا۔ عورتوں کے متعلق زیادہ تر قوانین قرآن کریم کے بالکل خلاف بنائے گئے۔ وہ قرآن کریم جو انسانیت کو آزاد کرانے کے لئے آیا تھا' اسی سے بردہ فروشی اور غلامی کے قوانین کی سند حاصل کی گئی۔ قرآن کریم نے جتنے ذرائع Exploitation of man by man کے مدد کئے تھے' فقہ نے ان سب کو بالکل کھول دیا' قرآن کریم جتنی Revolutionary اور Progressive کتاب ہے' اتنا ہی اس کو فقہ کے قوانین میں جکڑ کے Retro-gressive بنا دیا۔

ثانیاً قابل غور یہ بات ہے کہ وہ دور بالکل ابتدائی اور سادہ دور تھا۔ آج کل کے مشکل اور پیچیدہ مسائل اس زمانہ میں درپیش نہیں تھے۔ آج کے پیچیدہ مسائل کا دس فیصد حصہ بھی اس وقت موجود نہیں تھا' موجودہ دور کے مسائل کا اس زمانہ میں فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

ثالثاً یہ امر قابل لحاظ ہے کہ انسانی عقل اور انسانی معاشرے آہستہ آہستہ ترقی کرتے چلے جا رہے ہیں' آج سے ایک ہزار سال پیشتر مغربی ممالک میں بھی جو قوانین بہت سخت' خلاف عقل اور جامد تھے انہوں نے آہستہ آہستہ اپنے قوانین کی تشکیل میں عقل و بصیرت سے کام لیا' اور آج ان کے قوانین اس ایک ہزار سال پیشتر کے قوانین سے بہت مختلف ہیں۔ ہمارے ہاں آج سے ایک ہزار سال پیشتر انسانی عقل اور انسانی معاشرے اس قابل نہیں تھے کہ وہ ایسے عمدہ' قابل عمل اور بصیرت پر مبنی قوانین بنا سکیں کہ وہ آج ہمارا ساتھ دے سکیں۔ وحی الٰہی کی تو یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ ہر آئندہ آنے والے دور کا نہ صرف ساتھ دے سکے' بلکہ ہر دور میں راہنمائی بھی کرے اور عقل انسانی سے آگے آگے بھی رہے لیکن انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی یہ صورت نہیں ہوتی۔ عقل انسانی اپنے ماحول سے یقیناً متاثر ہوتی ہے اور وہ کسی حال میں بھی اپنے زمانہ سے آگے نہیں جا سکتی۔ ہمارے فقہائے عظامؒ کے بنائے ہوئے قوانین بھی اپنے مخصوص معاشروں سے متاثر ہوئے ہیں اور وہ اپنے دور کے لئے تو خود مکتفی تھے آج کے دور کا وہ ساتھ دینے سے قاصر ہیں۔

رابعاً یہ نکتہ پیش خدمت کرنا ضروری ہے کہ اسلامی حکومت اور مسلم حکومت میں ایک واضح فرق ہوتا ہے۔ ہر مسلم حکومت اسلامی حکومت نہیں ہوتی مثلاً ہمارے اس دور میں ترکی' مصر'

مراکش، انڈونیشیا وغیرہ کی حکومتیں مسلم حکومتیں ہیں کیونکہ وہاں کی آبادی کا بیشتر حصہ مسلمانوں کی آبادی پر مشتمل ہے لیکن یہ حکومتیں اسلامی حکومتیں نہیں ہیں۔ اسی طرح بنوعباس کے دور کی حکومت بے شک مسلم حکومت تھی کیونکہ اس کی بیشتر آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی لیکن وہ اسلامی حکومت نہیں تھی۔ بادشاہت کا ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اسلامی حکومت نہیں تھی بلکہ بادشاہت پر مبنی نظام تھا اور بادشاہ وقت کا حکم صحت شمار ہوتا تھا۔ وہ غیر اسلامی حکومت تھی۔ غیر اسلامی حکومت کے نافذ کردہ قوانین اسلامی قوانین قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ چونکہ یہ قوانین خود غیر اسلامی حکومت کے مدون کردہ تھے اس لئے وہ کسی طرح بھی اسلامی قوانین قرار نہیں دیئے جاسکتے لیکن ہم نے انہیں قوانین کو اسلامی ٹھہرا کر اپنی فقہ قرار دیا ہوا ہے۔ فقہ اسلامی یا شریعت اسلامی، اسلامی حکومت کے جاری کردہ قوانین ہوتے ہیں۔ آج اگر پھر سے اسلامی نظام کسی جگہ متمکن ہو جائے تو اس حکومت کے قوانین ہی فقہ اسلامی اور اسلامی شریعت ہوں گے ہم ان سابقہ غیر اسلامی حکومتوں کے قوانین کا اتباع کرنے کے پابند نہیں ہیں۔

قرآنِ کریم کا واضح حکم ہے کہ اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء (۳/۷) ترجمہ۔ جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسی کی پیروی کرو اور اس کے سوا دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔ قرآن کریم نے "اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم" کے جملہ موجبہ سے صرف قرآن کریم کے اتباع کا حکم فرمایا اور ولا تتبعوا من دونہ اولیاء کے سابقہ جملہ سے قرآن کریم کے علاوہ ہر مذہب، فرقہ، فقہ، مشرب اور مسلک کے اتباع کی نفی فرمادی لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ قرآن کریم محض تبرکاً ہی رہ گیا ہے اور اتباع کے لئے مختلف فقہ اور اپنی اپنی منتخب شخصیتیں مقرر کی گئی ہیں جس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے اور جس کی پیش گوئی قرآن کریم نے آیت نمبر (۳/۱۰۴) میں پہلے ہی کر دی ہوئی ہے کہ جو قوم ایسی روش اختیار کرے گی اس کے لئے عذاب عظیم ہے۔

واضح رہے کہ مسلمان صرف وحی الٰہی اور ہر اس حکومت کے جس میں الٰہی قوانین جاری ہوں، کا اتباع کرنے کے مکلّف ہیں اور اس کے علاوہ انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی پابندی ان پر لازم نہیں ہے کیونکہ اسلام نام ہے اس نظام کی اطاعت کا جو قرآن کریم کے احکام کو نافذ کرے اور اس راستہ کا اتباع جو قرآن میں متعین کیا گیا ہے۔

ہمارے ہاں اتباع سنت پر بہت اصرار کیا جاتا ہے اور سنت کے مفہوم میں اتنا توسع رکھا گیا ہے کہ حضورؐ کے ذاتی تشخصی امور بھی سنت میں شمار کئے جاتے ہیں۔ حضورؐ ایک خاص خطہ زمین، اور ایک خاص دور میں تولد ہوئے، اس لئے ظاہر ہے کہ اس ملک کی معاشرت ہی اختیار فرمانی ضروری تھی۔ حضورؐ کے وہ معمولات جو حضورؐ کے خورونوش، نشست و برخاست، عام روش زندگی سے متعلق تھے۔ انہیں بھی سنت کی تعریف میں شامل کر کے ان کے اتباع پر اصرار کیا جاتا ہے لیکن حیرت ہے کہ حضور کی اولین سنت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ حضور ﷺ کی اولین سنت یہ ہے کہ وہ صرف قرآن کا اتباع کرتے تھے۔ ان اتبع الا ما یوحی الی (۱۰/۵) میں صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اور اس کی خلاف ورزی سے جو عذاب خداوندی وارد ہوتا ہے اس سے وہ خائف رہتے تھے۔ (۱۰/۱۵) حضور کو اس کا حکم دیا گیا تھا۔ واتبع ما یوحی الیک (۱۰/۱۰۹) اے رسول جو تیری

طرف وحی کیا جاتا ہے اس کا اتباع کرو۔ اسی راستہ کے اتباع کو حضورؐ نے صراط مستقیم کا اتباع قرار دیا ہے۔ ان ھذا صراط مستقیماً فاتبعوہ (۶/۱۵۴)۔ یہ ہے وہ صراط مستقیم جس پر میں گامزن ہوں، تم سب بھی اسی کا اتباع کرو۔ اس سے واضح ہے کہ قرآن کریم کا اتباع ہی اتباع سنت رسول اللہ ہے اسے اور کسی جگہ تلاش کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں اور جو حضرات اتباع سنت پر اصرار کرتے ہیں انہیں سب سے پہلے حضورؐ کی اسی سنت کی پیروی کرنی ضروری ہے۔ قرآن کریم نے حضورﷺ کو اول المسلمین قرار دیا ہے حضورؐ نے اپنے آپ کو ہمیشہ مسلم ہی کہا ہے اور اس میں تقدم زمانی کے ساتھ ساتھ تفوق کیفی بھی شامل ہے یعنی حضورؐ نہ صرف سب سے پہلے مسلمان ہوئے بلکہ کیفیت کے لحاظ سے بھی حضورؐ اول المسلمین ہیں۔ ان کی مثل اور نظیر اور کوئی مسلمان نہیں۔ قرآن کریم کے واضح حکم کا اتباع کرتے ہوئے حضورؐ نے اپنے کو ہمیشہ مسلم ہی قرار دیا، اس لئے اس سنت سے اہم اور ضروری سنت اور کون سی ہو سکتی ہے لیکن افسوس کہ جو حضرات اور تمام سنتوں جیسے خاص سائز کا مسواک کرنا، ایک خاص وضع کا لباس پہننا، بیٹھ کے پانی پینا وغیرہ جیسی سنتوں تک کی نگہداشت کرتے ہیں وہ اس سنت پر بالکل عمل نہیں کرتے۔

سابقہ صفحات میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ فرقہ بندی شرک ہے اور فرقہ بندی کرنے والوں کا کوئی تعلق اللہ، اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب سے بالکل نہیں رہتا۔ ان میں سے ہر شق کے بارے میں متعلقہ آیات ساتھ ساتھ درج کی گئی ہیں۔ مزید یہ تحریر کیا گیا ہے کہ حضورﷺ کی سنت بھی وہی ہے کہ فرقہ بندی سے مجتنب رہا جائے اور اپنے آپ کو صرف مسلمان کہا جائے لیکن حیرت کی بات ہے کہ دستور پاکستان میں ان دونوں باتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے اور فرقہ واریت کو آئینی تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ دستور پاکستان کے آرٹیکل (۱) ۲۲۷ میں درج ہے۔

''تمام موجودہ قوانین کو اسلامی احکام کے مطابق وضع کیا جائے گا جو قرآن وسنت میں مذکور ہیں اور کوئی ایسا قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو ان احکام کے خلاف ہو''۔

اس شق کے مطابق تمام قوانین کا ماخذ صرف قرآن و سنت کو قرار دیا گیا تھا اور کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف وضع نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن اس کے بعد صدارتی حکم نمبر ۱۴ مجریہ ۱۸ ستمبر ۱۹۸۰ء میں ان قوانین کے سلسلہ میں مزید ترمیم ان الفاظ میں کر دی گئی۔

وضاحت: جب ان قوانین کا اطلاق مسلمانوں کے کسی فرقہ کے پرسنل لاء (شخصی قوانین) پر ہوگا تو قرآن وسنت سے مراد اس فرقہ کی اپنی تعبیر ہوگی''۔

دستور کی شق نمبر (۱) ۲۲۷ کی اس ترمیم سے فرقہ بندی کو پورا پورا آئینی تحفظ مل گیا جس سے عملاً دو دشواریوں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ پہلی دشواری یہ ہوگی کہ ایک ہی ملک میں رہتے ہوئے مختلف فرقوں کے لئے شخصی قوانین کی حد تک، مختلف قوانین وضع کئے جائیں گے۔ اس طرح ایک ملک میں کئی قوانین کا نفاذ ہوگا۔ دوسری بات جو قابل غور ہے۔ یہ ہے کہ اس طرح پرسنل لاء اور پبلک لاء میں قوانین تقسیم کر دیئے گئے۔ اسلامی حکومت میں پبلک لاء اور پرسنل لاء کی تفریق بالکل غیر قرآنی ہے۔ یہ تفریق غیر اسلامی حکومت میں ہوتی ہے جہاں پبلک لاء تو سیکولر ہوتے ہیں تو وہاں پرسنل لاء اسلامی جاری کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ جب

حکومت ہی اسلامی ہو تو وہاں پرسنل اور پبلک لاء کی تفریق مناسب نہیں۔ اسلامی حکومت میں قوانین، حکومت کی طرف سے مدون اور جاری ہوتے ہیں۔ ان کا اطلاق سب مسلمانوں پر یکساں ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ قرآن وسنت کو مختلف فرقوں کے معیارات میں جانچنے کی پابندی کو ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ جب تک یہ پابندی ختم نہیں ہوگی نہ عدالت کچھ کر سکے گی اور نہ قرآن وسنت کو صحیح مقام حاصل ہوگا لہٰذا ملک میں فرقہ بندی کو مزید تقویت ملنے سے روکنے کے لئے ضروری ہے کہ قوانین کو وضع کرنے کے لئے عدالت کو صرف قرآن وسنت تک ہی پابند کیا جائے اور اس کے علاوہ ہر اس پابندی سے آزاد کر دیا جائے جس سے قانون سازی میں مزید دشواریاں بھی پیدا ہوں اور فرقہ بندی کو بھی مزید فروغ حاصل ہونے کا خدشہ ہو۔ نیز ہر مسلمان شہری کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ قرآن کریم کی اطاعت اور حضور ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو صرف مسلمان کہے، اور اس کے علاوہ کسی اور نام سے اپنے آپ کو موسوم نہ کرے۔ اگر حکومت مناسب سمجھے اور عوام تعاون کریں تو حکومت اس کو قانون کی حیثیت سے نافذ کر دے اور اس کے عدم تعمیل کی صورت کو جرم قرار دے۔

آج مسلمان جس مجبور ومقہور حالت میں ہیں اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے فرقہ بندی کی لعنت سے جان چھڑانا ضروری ہے۔ قرآن کریم کی رو سے مسلمان غالب رہنے کے لئے آیا ہے مغلوب ہونے کے لئے نہیں۔ امت مسلمہ کو حکم ہے کہ ان اتبع ملته ابراهيم حنيفا (۱۶/۱۲۳) تم ہر طرف سے اپنی توجہ ہٹا کر ملت ابراہیمی کا اتباع کرو۔ حضرت ابراہیم کو اماما للناس کہا گیا کہ وہ ساری انسانیت کے امام ہیں۔ ان کا مقام ساری انسانیت کے لئے رہبر اور قائد کا مقام ہے اور ہم مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى (۲/۱۲۵) تم مقام ابراہیم کو اپنے لئے مصلیٰ بنالو یعنی مقام کے بالکل پیچھے پیچھے چلو چونکہ ابراہیم کا مقام نوع انسانی کی امامت تھی اس لئے تمہارا مقام بھی نوع انسانی کی امامت اور رہبری ہونا چاہئے نیز یہ کہ مسلمانوں کو عالم انسانیت کا نگران بنایا و كذلك جعلنكم امته وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا (۲/۱۴۳) اس طرح ہم نے تمہیں ایک ایسی قوم بنایا کہ جو عالمگیر حیثیت کی مالک ہے۔ ایسی بین الاقوامی کہ دنیا کی تمام قومیں، تم سے برابر فاصلے پر ہوں۔ تمہارے لئے عدل وانصاف کے زاویہ نگاہ سے تمام اقوال یکساں ہوں۔ تمہارا منصب یہ ہے کہ تم ان تمام اقوام کے اعمال وکردار کے نگران رہو اور خود تمہارے اعمال کا محاسبہ کرنے والا، اس نظام کی مرکزی اتھارٹی اور اسلامی حکومت کا حاکم اعلیٰ ہو یعنی تمام نوع انسانی کے اعمال پر نگاہ رکھنے والی، ان سب پر نگران اور ان کا مرکز رسول اور رسول کے بعد ان کے جانشین ان کے اعمال کے نگران۔

افسوس صد افسوس اور صد ہزار افسوس کا مقام ہے کہ قرآن کریم کے مطابق ملت اسلامیہ کا دنیا میں کیا مرتبہ وفریضہ تھا۔ ایک وہ قرآن کریم کی بیان کردہ ملت اسلامیہ ہے اور ایک آج ہم ملت اسلامیہ ہونے کے مدعی ہیں کہ دوسروں کے اعمال کے نگران ہونا تو بڑی بات ہے ہم خود اقوام عالم میں سب سے زیادہ ذلیل وپست ہیں کیونکہ ہم نے آپس میں فرقہ بندی اور دشمنی اور عناد پیدا کیا ہوا ہے۔

جن قوموں کے پاس وحی الٰہی کی روشنی نہیں وہ کسی بھی قدر کے پابند نہیں۔ ان کی کوئی مستقل اقدار (Values) ہی

نہیں۔ جس قدر (Value) میں فائدہ دیکھا وہ اختیار کر لی۔ مگر ہم مسلمانوں کا معاملہ ان سے مختلف ہے۔ ہمارے پاس وحی ہونے کے سبب سے ہمارے پاس مستقل اقدار ہیں جن پر عمل کرنے کے ہم پابند ہیں اور وہی ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتی ہیں۔ ان اقدار پر عمل کرنا نہ صرف ہمارے لئے ضروری ہے بلکہ اس بات کی نگرانی کرنا بھی ہمارا فریضہ ہے کہ عالم انسانیت میں وہ اقدار (انسانی حقوق) نافذ و جاری ہوں۔ قرآن کریم نے ان مستقل اقدار کے لئے ایک جامع اصطلاح معروف ومنکر کی استعمال کی ہے جس میں قرآنی نظام کے نافذ کردہ احکام وقوانین سے لے کر قرآن کریم کی مستقل اقدار سب شامل ہو جاتی ہیں۔ قرآن کریم کی مستقل اقدار میں سے ایک قدر تکریم انسانیت ہے۔ مسلمان قوم کا فرض ہے کہ وہ ساری دنیا میں اس بات کی نگرانی کرے کہ دنیا کے گوشے گوشے میں تکریم انسانیت ہو رہی ہے یا نہیں۔ جان کی قدر و قیمت، محنت کا پورا پورا بدلہ، عفت، عصمت، زمین پر ساری انسانیت کے لئے برابر کا استحقاق، ہر شخص کو اس سے برابر کا فائدہ اٹھانے کا موقع دینا، بنیادی ضروریات کا فراہم ہونا، رزق، تعلیم، مکان کا ہر شخص کے لئے مہیا ہونا عدل و انصاف کا آسان اور مفت حاصل ہونا۔ اس قسم کے بے شمار معروف ہیں جن کا نفاذ اسلامی حکومت کرتی ہے اور دیگر اقوام کی نگرانی کرتی ہے کہ ان سب میں یہ معروف جاری ہوں۔ قرآن کریم کے مطابق امت مسلمہ کا یہ مقام ہے اور عملاً جو ہماری حالت ہے اس کے لئے حالم میرس صورت ببیں کی مثال صادق آتی ہے۔

ہم مسلمانوں کی جو ناگفتہ بہ حالت ہے وہ ہماری خود پیدا کردہ ہے اور ظاہر ہے کہ دیگر غیر مسلم اقوام ہماری اس حالت سے نہ صرف خوش ہیں بلکہ چاہتی ہیں کہ ہم مستقل اسی حالت میں اور ایک دوسرے کا گلا کاٹتے رہیں۔ ہم اس بات کا اندازہ ہی نہیں کرتے کہ غیر مسلم اقوام کو ہمارے سے کتنی عداوت ہے اور کتنی دشمنی ان کے سینوں میں چھپی ہوئی ہے۔ ان کی دشمنی کی ایک رمق جو ظاہر ہوتی ہے غیر مناسب نہیں ہوگا اگر اس کا مختصراً تذکرہ اس مضمون کے بالکل آخر میں کر دیا جائے تاکہ قارئین کرام کو اندازہ ہو کہ غیر مسلم اقوام کو کس قدر دشمنی ہم سے ہے۔

Mr. Samuel P. Huntington ہارورڈز یونیورسٹی میں معروف پروفیسر ہیں ان کا ایک مضمون The clash of civilizations ایک مشہور رسالہ Foreign Affairs کے ۱۹۹۳ء کے Summer کے Issue میں طبع ہوا ہے۔ اس مضمون نے بہت شہرت پائی۔ ایک تو صاحب مضمون معروف شخصیت ہیں دوسرے مضمون کا موضوع پرکشش ہے اور مضمون بھی علمی اعتبار سے بلند پایہ ہے۔ ملخص اس مضمون کا یہ ہے کہ دنیا میں آئندہ جو تصادم ہوگا وہ تہاذیب کا ہوگا۔ ایک طرف مسلمان اور کنفوشس کے پیروکار یعنی چینی وغیرہ ہوں گے اور دوسری طرف مغربی تہذیب ہوگی۔ مضمون پرمغز ہے اور پروفیسر صاحب موصوف نے تاریخی حوالہ جات و واقعات پیش کرنے کے بعد اپنے نظریہ کو بخوبی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو کچھ ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا زیر نظر مضمون کو اس کی صحت وسقم سے کوئی تعلق نہیں۔ اس زیر نظر مضمون کا جس بات سے تعلق ہے اور جو قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ مضمون کے بالکل آخر میں انہوں نے مشورہ دیا ہے کہ مغرب کو چاہئے کہ اپنی تہذیب کو ترقی دے اور خاص طور پر شمالی امریکہ، لاطینی امریکہ اور مشرقی یورپ کی تہذیبوں کو

اپنے ساتھ ملائے رکھے اور جاپان اور روس سے بھی تعاون پر مبنی تعلقات کو فروغ دے۔ مختلف تجاویز کے بعد اصل بات جو انہوں نے تحریر کی ہے اور جس کے لئے اس مضمون کا حوالہ دینا ضروری سمجھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

To exploit differences and conflicts among Confucian and Islamic States.

کنفوشش کے پیروکاروں اور اسلامی حکومتوں میں' آپس کے اختلافات سے فائدہ اٹھانا چاہئے یعنی کنفوشش کے پیروکاروں میں جو اختلافات ہیں ان کو فروغ دینا چاہئے اور مسلم ممالک کے باشندوں میں بھی جو اختلافات' مناقشات ہیں ان سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ یہ وہ تجاویز ہیں جو پروفیسر صاحب موصوف نے بین الاقوامی سطح پر پیش کی ہیں۔

مسلمانوں کی عزت و ذلت' اقبال' ادبار' عروج و زوال ان کے دین کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر ان کا دین قائم ہے تو یقیناً مسلمانوں کو عروج حاصل ہوگا۔ اگر انہوں نے اپنے دین سے اعراض کیا' اپنے خود ساختہ قوانین جاری کئے تو مسلمانوں کو کبھی عروج حاصل نہیں ہوسکتا۔ مسلمانوں کے لئے عروج و تمکن حاصل کرنے اور فرقہ بندی کی لعنت کو دور کرنے کا واحد حل یہ ہے کہ مسلمان قرآن کریم کے نظام کو جاری کریں اور اسلام کو بحیثیت دین کے متمکن کریں۔ مسلمانوں کی قائم کردہ اسلامی حکومت قرآن کریم کی روشنی میں اپنی ضروریات کے مطابق قانون وضع کرے وہی ان کی فقہ اور وہی ان کی شریعت ہوگی۔ ہر اسلامی حکومت کے جاری کردہ قوانین ہی اس دور کے لئے فقہ اور شریعت ہوتے ہیں۔ سابقہ فقہ اور شریعتوں کے بجائے' ان کا اتباع ہی ہر شہری کا فرض ہوتا ہے۔ اس طرح فرقہ بندی وجود میں آ ہی نہیں سکتی۔

آخر میں تمام مسلمان بھائیوں سے نہایت دل سوزی' دردمندی سے درخواست ہے کہ خدارا اپنی حالت زار پر رحم کرو۔ اس سے زیادہ زوال و ادبار شاذ ہی کسی اور قوم کے نصیب میں لکھا ہو۔ کیوں اللہ کے غضب اور عذاب کو آوازیں دے دے کر بلاتے ہو۔ اپنی عورتوں' بچوں' آل اولاد کو پیش نظر رکھو۔ ان پر رحم کھاؤ' آپس کی فرقہ بندی اور دشمنی ترک کرے' قرآن کریم کا اتباع کر کے دنیا اور آخرت میں سرخروئی حاصل کرو۔

(بشکریہ آواز' لاہور' بابت جون ۱۹۹۹ء)

سانحۂ ارتحال

مردان میں بزمِ طلوعِ اسلام کے روحِ رواں مستری عبداللطیف صاحب 13/12/2001 کو وفات پا گئے۔ مرحوم فکرِ قرآنی کے فروغ کے لئے آخر وقت تک کوشاں رہے۔ مردان شہر میں درس قرآن ان کے گھر ہی میں منعقد ہوتا رہا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا کرے۔ ادارہ مرحوم کے پس ماندگان کے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔

ادارہ طلوع اسلام

ماہنامہ طلوع اسلام

☆طلوع اسلام بلند پایہ علمی پرچہ ہے۔☆پاکستان کے ہر گوشے اور ہر طبقے میں گہری دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔☆پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی جاتا ہے۔☆اس میں شائع شدہ اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گزرتے ہیں۔اس میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے۔

اشتہارات کے نرخ یہ ہیں

ٹائٹل کے صفحات	ایک بار	سال بھر کے لئے
بیرونی ٹائٹل	1000روپے	8000روپے
اندرونی ٹائٹل	800روپے	7000روپے
اندرون صفحات		
پورا صفحہ	600روپے	5000روپے
نصف صفحہ	400روپے	3000روپے
چوتھائی صفحہ	250روپے	2000روپے

☆مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔☆اشتہار شائستہ اور معیاری ہونا چاہئے۔☆اجرت اشتہار مسودہ کے ہمراہ ارسال فرمائیں۔☆

آپ کی شکایت

بھی درست کہ رسالہ نہیں پہنچا یا وقت پر نہیں ملا

اور یہ بھی

کہ تعمیل ارشاد میں تاخیر ہوئی یا اس میں کوئی فروگزاشت ہوئی۔

لیکن

کیا آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ آپ نے

۱۔ تبدیلی پتہ کی بروقت اطلاع دی ہے یا نہیں۔

۲۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر لکھا ہے یا نہیں۔

۳۔ زر شرکت ادا ہوا ہے یا نہیں۔

۴۔ اپنے علاقے کے پوسٹ کوڈ کی اطلاع دی ہے یا نہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈاکٹر محمد اسلم نوید

جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفویؐ
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

معذرت کے ساتھ۔ واہ اے اقبالؒ تو کہاں کہاں نہ کام آیا۔ جب قوم نے وحی الٰہی کی من موجی تفسیریں کر کر کے۔ کر کر کے بزبانِ اقبال خدا و جبریل و مصطفیٰ کو حیرت زدہ کر دیا۔

زمن بر صوفی و ملا سلامے
کہ پیغامِ خدا گفتند مارا
مگر تاویل اُو در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفیٰ ﷺ را

تو پھر اقبالؒ کے شعروں کی من موجی تاویل کیوں نہ ہوتی۔ اقبالؒ ہوتا تو آج سن سن کر وہ بھی سر دھنتا۔ بہر حال سلام ہو تجھ پر اقبالؒ کہ تو حدیث نبویؐ کے مطابق ہر کسی کے کام آیا۔ (خیر الناس من ینفع الناس) بہترین انسان وہ ہے جو انسانوں کے لئے فائدہ مند ہے۔

تیرے شعر قوال کو ملے تو اس کی روٹی چلی۔ پینٹر کو ملے اس کا وسیلہ رزق بنا۔ پچھلے دنوں TV پر دیکھا کسی میوزیکل گروپ نے تیری نظم کو' حوا کی بیٹی کے بدن کے زاویوں کو تفسیرِ شعر کے طور پیش کر کے نام و مال کمایا۔

آج ۱۸ جنوری ۲۰۰۲ء روزنامہ جنگ کوئٹہ میں جماعت اسلامی کے امیر حسین احمد قاضی صاحب کا (جنرل پرویز مشرف کے قوم کے خطاب پر) تبصرہ پڑھا۔ جنہیں کل تک تیرے نظریہ قومیت پر عمل پیرا ہونے والے قائداعظمؒ میں خوردبین لگا کر بھی اسلام کی چھینٹ تک نظر نہ آتی تھی' مبارک ہو تیرے شعروں کے صدقے علانیہ نہ سہی بین السطور ہی سہی کچھ قائداعظمؒ کی گلو خلاصی ہوتی نظر آتی ہے کیونکہ اب اسی تیرے نظریہ قومیت کو مقاصد کی معراج قرار دے رہے ہیں (وہ بھی شائد وقت کے تقاضوں کی مجبوری یا نظریہ ضرورت کے تحت)۔ جب تیرے شعر قوالوں اور گویوں کے کام آسکتے ہیں تو ''اسلامی انٹیلیکچوئیل'' کا بھی اتنا ہی حق ہے بلکہ کچھ زیادہ۔ فرماتے ہیں ''جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی''، محترم اگر سیاست کی تعریف اپنے الفاظ میں بیان فر

دیتے تو ہم جیسے کم علموں کا بھی فائدہ ہو جاتا۔ کیا اس سیاستِ نبوی ﷺ جو کلیتہً مسجد میں ہی ہوتی تھی اور آج کی فرقہ وارانہ سیاست و مذہبی منافرت و تقسیم میں کوئی فرق نہیں۔ سیاست کے نام پر قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا فرعون و ہامان کا گٹھ جوڑ ہوا کرتا ہے' کیا اسے جاری رہنا چاہئے تھا۔

نبی کریم ﷺ کی سیاست سے انسانیت کے مسائل حل کیے جاتے تھے اور آج کی مقدس سیاست کے نام پر مسائل کھڑے کیے جاتے ہیں۔ کبھی قوم گردن زدنی ٹھہرائی جاتی ہے' کبھی افراد کو کافر گردانا جاتا ہے' وہ تو از کلید دیں در دنیا کشاد تھا۔ اور یہ۔۔۔۔۔ از کلید بیان در دنیا فساد ہے۔ اگر یہ از کلید دیں در دنیا کشاد ہوتی تو کوئی قوت رکاوٹ نہ بن سکتی۔ در دنیا کشاد اور در دنیا فساد میں فرق کرنا لازم ہے جو عوام اب محسوس کر چکے ہیں۔ اب لوگ جان چکے ہیں کہ پرویز مشرف کونسی مساجد کی حوصلہ شکنی چاہتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے تفرقہ ڈالنے والی عمارت کو مسجد تسلیم کیا ہے؟ یا کیا فٹ پاتھ پر بنی مسجدیں اسلام کے شایان شان ہیں اس کے نظم و نسق کی مظہر ہیں؟ ناجائز قبضہ پر مسجدیں ''اسلامی'' قانونِ انصاف کی عملی تصاویر ہیں۔ مسجدوں پر قبضے کے لئے سر پھٹول مسلمانوں کے اتحاد و حجتؐ کا منہ بولتا ثبوت ہیں؟ کیا یہ سلسلہ جاری رہنا چاہئے تھا۔ کیا یہی چاہتے ہیں آپ بھی؟

صدر پرویز مشرف صاحب آپ کا شکریہ۔ آپ کی مخالفت میں ہی سہی اپنی زبان سے انہوں نے تسلیم تو کیا کہ مسلمانوں کی حکومتوں کی اپنی خارجہ پالیسی ہی آزاد نہیں ہیں۔ یہی بات کوئی اور کہتا تو یہ اس کا جرم گردن زدنی ہوتا واہ رے زمانے تو کیا کیا سچ بلواتا ہے۔

قاضی صاحب لکھتے ہیں۔ ملت سے ان (اقبالؒ) کی مراد مسلمانوں کی امت ہے اور قومیت کا اسلامی تصور ان کے پورے پیغام میں رچا بسا ہوا ہے۔ خاص طور پر ان کا ترانۂ ملی ہمارے بچے بچے کے دل و دماغ میں رچ بس گیا ہے (اللہ کرے ایسا ہی ہو)۔ یہ تصورِ قومیت قرآن کریم کا پیغام ہے۔ جناب والا! باقی ساتھی علماء سے بھی پوچھ لیا کیا وہ بھی آپ کی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ احتیاط کریں جذبات میں یہ سچ بیان کر کے آپ اپنے جتھے سے محروم نہ ہو جائیں۔ ایک ہی کالم میں جتنے اقبالؒ کے شعر اپنی دلیل کے طور استعمال کر ڈالے ہیں اگر یہ پرویز مشرف کے خلاف نہ ہوتے تو اب تک آپ ''اقبالی'' مجرم قرار دیئے جا چکے ہوتے۔ آپ لکھتے ہیں۔

''یہ درست ہے کہ ہمیں دنیا کے مسلمانوں کو متحد کرنے کے لئے اپنے ملک کے اتحاد' دفاع اور استحکام کو اولیت دینی چاہئے (شکر ہے) لیکن یہ ممکن نہیں کہ ہم استحکام پاکستان کے نام پر اس بنیادی تصورِ قومیت کی ہی نفی کر دیں جس پر پاکستان کی بنیاد ہے۔ جناب والا صدر صاحب نے جس کی نفی کی ہے کیا وہ بنیادی تصور فرقہ پرستی' غارت گری' (گھراؤ جلاؤ) فدائی فوجداری ہی بنیادی تصور قومیت ہے۔ واقعی صدر صاحب کو استحکام پاکستان کی بجائے مذہب کی آڑ میں انتشار کو فروغ دینا چاہئے' چاہے پاکستان رہے نہ رہے۔ قومی تصور کی مخصوص ''مذہبی آزادی'' قائم رہے چاہے خلا میں ہی کیوں نہ ہو۔ واقعی اقبال تیرے شعر ہمہ جہت ہیں۔ ہمہ جہت اقبالؒ تجھے مبارک ہو! قاضی حسین احمد امیر جماعت اسلامی نے تیرے قومیت کے تصور کو قرآن کریم کا پیغام قرار دے دیا ہے۔ جس پر عمل کرنے سے کل قائداعظمؒ قابل گردن زدنی تھے۔ قائداعظمؒ آپ کو بھی مبارک ہو!

پمفلٹس--PAMPHLETS

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔

فی پمفلٹ قیمت 1 روپے ڈاک خرچ فی پمفلٹ 4 روپے کے حساب سے بھیج کر طلب فرمائیں۔

1- آرٹ اور اسلام
2- .....
3- اسلام کیا ہے؟
4- .....
5- اسلام آگے کیوں نہ چلا؟
6- .....
7- اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
8- .....
9- اندھے کی لکڑی
10- بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
11- جہاں مارکس ناکام رہ گیا
12- حرام کی کمائی
13- .....
14- .....
15- دوقومی نظریہ
16- روٹی کا مسئلہ
17- .....
18- .....
19- .....
20- عورت قرآن کے آئینے میں
21- فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟
22- قرآن کا سیاسی نظام
23- قرآن کا معاشی نظام
24- قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر
25- کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
26- کافرگری
27- .....
28- مقام اقبالؒ
29- مرزائیت اور طلوع اسلام
30- مقام محمدی ﷺ
31- ماؤزے تنگ اور قرآن
32- ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں؟
33- ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
34- Islamic Ideology
35- Is Islam a Failure?
36- Why Islam is the Only True Deen?
37- Parmanent Values
38- اسلامی قانون کی اصل و بنیاد کیا ہے؟
39- انسانیت کا آخری سہارا
40- پاکستان کی نئی ''زیارت گاہیں''
41- نماز کی اہمیت
42- ہم عید کیوں مناتے ہیں؟
43- Why Do We Lack Character?
44- ہندو کیا ہے؟
45- قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں!
46- ہماری نمازیں اور روزے بے نتیجہ کیوں ہیں؟
47- اسلامی مملکت کے سربراہ کی معاشی ذمہ داریاں
48- اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری
49- قیامت موجود
50- اسلام اور مذہبی رواداری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرتبہ: بزمِ طلوعِ اسلام لندن یو۔کے۔

تحریکِ طلوعِ اسلام اور قرآنی نظام

طلوعِ اسلام جو قرآنی فکر پیش کرتا ہے اس کے متعلق بعض حضرات یہ کہا کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اس فکر کو عام کر بھی دیا تو اس سے کیا حاصل ہوگا۔ قرآن کا مقصد تو اس نظام کو عملاً متشکل کرنا ہے کیا اس فکر کی عام نشر و اشاعت سے یہ نظام متشکل ہو جائے گا؟ اس کے جواب میں محترم غلام احمد پرویز صاحب نے مختلف موقعوں پر جو کچھ لکھا ہے اس کا ملخص یہ ہے:

''اب تو خود زمانے کے تقاضوں نے حالات میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی ہے کہ کسی خیال کے عام کر دینے سے معاشرہ کا نظام خود بخود اس کے مطابق متشکل ہو جاتا ہے' یہ زمانہ جمہوریت کا ہے' جس میں انقلاب آئینی طور پر برپا ہوتے ہیں' جمہوریت کے معنی یہ ہیں کہ جس خیال کے حامل زیادہ ہوں' اسی کے مطابق نظام قائم ہو جائے' ہم پرامن اور آئینی طریق سے قرآنی فکر کو عام کرنا چاہتے ہیں۔

نشر و اشاعت:- پس اس سلسلہ میں سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہے کہ اس نظام سے متعلق لٹریچر زیادہ سے زیادہ اور مختلف زبانوں میں عام کیا جائے۔ آپ اس فکر کو عام کیجئے اور پھر دیکھئے کہ کس طرح ایک قطرۂ خون بہائے بغیر یہ انقلاب معرضِ وجود میں آجاتا ہے' کچھ گرم جوش حضرات جو ہماری تحریک کے نہایت سطحی نظر سے مطالعہ کے بعد ہمارے ہمنوا ہو جاتے ہیں لیکن تھوڑی دور ساتھ چل کر اس قافلہ کی سست رفتاری سے اکتا جاتے ہیں اور تقاضے شروع کر دیتے ہیں کہ اس پروگرام میں سیاسی ہنگامہ آرائیاں اور شورش انگیزیاں شامل کرنی چاہئیں' جب ان کا تقاضا پورا نہیں ہوتا تو وہ اس قسم کی بحثیں شروع کر دیتے ہیں جن سے افرادِ کارواں کے ذہنوں میں انتشار ابھرے اور دلوں میں افسردگی پھیلے' اس قسم کا عنصر ہماری تحریک کے لئے بہت نقصان رساں ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں اکثر اس کی تاکید کرتا رہتا ہوں کہ یہ عنصر آپ کے ہاں بار نہ پانے پائے۔ ورنہ آپ کی مدت العمر کی محنت دنوں میں بگولے کی گرد بن کر اڑ جائے گی' قرآنی تحریک کی نرم روی کا اس سے اندازہ لگائیے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کا آغاز مکہ سے کیا' آج کی کثرت آبادی کی نسبت سے' اس زمانہ کا مکہ' بس یوں سمجھتے جیسے ایک مختصر سا قصبہ' یہ آبادی اور حضور رسالتمآب ﷺ جیسے داعیٔ انقلاب' آپ نے عمرِ نبوت کا قریب ساٹھ فی صد حصہ اسی شہر میں دعوت و تبلیغ میں صرف فرما دیا اور اس کا ماحصل قریب تین سو نفوس تھے' سوچئے کہ کسی دعوت کی رفتار اس سے زیادہ سست کہی جا سکتی ہے' لیکن یہ اس دعوت کی سست روی نہیں تھی بلکہ یہ خام لوہے کو پختہ بنانے کا

عملِ مسلسل تھا' اس کے برعکس ہمیں اپنی حالت پر غور کرنا چاہئے' ساری دنیا کے مسلمان تو ایک طرف پاکستان کے مسلمانوں کو لیجئے اور سوچئے کہ ان کی تعلیمِ کتاب وحکمت کا اہتمام تو بہت دور کی بات ہے کیا ہم ان سب تک قرآن کا پیغام پہنچا بھی سکے ہیں۔ جب ہماری منزلِ اول میں ہنوز یہ کیفیت ہے تو ہنگامہ آرائیوں کے تقاضوں کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ ہم جو کچھ تھوڑا بہت اس وقت کر رہے ہیں اسے بھی چھوڑ بیٹھیں۔

طلوعِ اسلام کی تحریک فکری تحریک ہے یہ شروع ہی سے فکری تھی اور جوں جوں ہنگامی تحریکوں کے تجربات سامنے آتے جاتے ہیں یہ حقیقت نمایاں سے نمایاں تر ہوتی جاتی ہے کہ قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں۔ طلوع اسلام کی تحریک کو ہنگاموں اور شورش سے الگ رہنا چاہئے۔ قرآن کی رو سے دین کا نظام قائم نہیں ہوسکتا جب تک باطل کے نظامہائے حیات کو مٹایا نہ جائے لیکن وہ انہیں مٹانے کا طریق عوامی تحریک قرار نہیں دیتا جس میں جذبات کو مشتعل کر کے تخریبی سرگرمیاں اختیار کی جاتی ہیں' وہ اس کا طریقہ فکری تحریک تجویز کرتا ہے' جس میں قلب و دماغ کی داخلی تبدیلی سے خارجی احوال وظروف میں تبدیلی پیدا کی جاتی ہے' قلب ونگاہ کی تبدیلی کا فطری نتیجہ خارجی ماحول کی تبدیلی ہوتا ہے' قرآن کریم نے اس بنیادی حقیقت کو ان بصیرت افروز الفاظ میں بیان کیا ہے ''جب تک کوئی قوم اپنی داخلی' نفسیاتی' دنیا میں تبدیلی نہیں پیدا کرتی۔ خدا اس کے احوال میں تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔'' بعض حضرات یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ ملک میں غریبوں پر گوشۂ عافیت تنگ ہو رہا ہے انہیں زندگی کے دن گذارنے مشکل ہو رہے ہیں۔ نہ ان کے پاس کھانے کو روٹی ہے' نہ پہننے کو کپڑا' نہ رہنے کے لئے مکان' نہ علاج کے لئے چار پیسے۔ غریبوں اور ناداروں کو روٹی۔ کپڑے کی آج ضرورت ہے اور ان سے کہا یہ جا رہا ہے کہ اس وقت تک انتظار کرو جب تک قوم میں نفسیاتی تبدیلی پیدا نہ ہو جائے' ان کی اس بے تابیٔ تمنا کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ تپ دق کا علاج راتوں رات نہیں ہوسکتا اس کے لئے وقت درکار ہوتا ہے اور ہماری ہزار ہا تمناؤں اور آرزوؤں' بیتابیوں اور اضطرابیوں کے باوجود فطرت اپنے قانون میں کبھی تبدیلی پیدا نہیں کرتی۔ یہ حضرات اکثر چین کی مثال پیش کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھئے انہوں نے چند دنوں میں کتنا بڑا انقلاب برپا کر دیا ہے' ان کی بھول یہ ہے کہ وہ اس انقلابی جدوجہد کی مدت کو اس دن سے شمار کرتے ہیں جب وہ محسوس طور پر دنیا کے سامنے آیا' جس زمانے میں وہ لوگ نہایت خاموشی سے اس کی تیاریوں میں مصروف تھے وہ زمانہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ ماؤزے تنگ کا کہنا ہے کہ ''نظریاتی تبدیلی کے لئے بڑے بڑے طویل المیعاد' صبر آزما اور استقامت طلب پروگرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ انہیں یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ محض چند لیکچروں اور جلسوں سے لوگوں کے نظریات میں تبدیلی پیدا کر دیں گے' قوموں کے نظریات صدیوں میں جا کر مرتب ہوتے ہیں' اس لئے انہیں راتوں رات بدلا نہیں جا سکتا۔ یہ کام جبر واستبداد سے نہیں ہوگا' لوگوں کے قلب و دماغ کو رفتہ رفتہ اس تبدیلی کے لئے آمادہ کرنا ہوگا'' غور طلب بات یہ ہے کہ جب اس انقلاب کے لئے جسے محض خارجی معاشرہ میں برپا کرنا مقصود ہوتا ہے اس قسم کے صبر آزما اور طویل المیعاد پروگرام کی ضرورت ہوتی ہے تو اس انقلاب کے لئے جس میں انسان کے غلط معتقدات' نظریات' تصورات اور اعمال وافکار کو صحیح نظریات سے بدلنا اور انسانی سیرت وکردار کے ہر گوشے کو ایک جدید قالب میں ڈھالنا

مطلوب ہو، کس قدر سکون و ثبات کے ساتھ صبر آزما مراحل میں سے گزرنا ہوگا۔

بزمیں :- بزم ہائے طلوع اسلام کی شکل میں قرآنی فکر کو عام کرنے کی جو سعی و کوشش کی جارہی ہے اس میں اس احتیاط کو سختی سے ملحوظ رکھنا چاہئے کہ یہ اجتماعی کوشش کہیں پارٹی کا رنگ نہ اختیار کر جائے اس لئے کہ اگر ایسا ہو گیا تو ہم اصل و بنیاد ہی کے خلاف چلے جائیں گے جس پر قرآنی فکر و نظام کی ساری عمارت استوار ہوتی ہے، اس کے ساتھ ان زیرِ نقاب ناصحین کے دامِ ہم رنگ زمین کا شکار ہونے سے بچیے جو ہر وقت اس کوشش میں رہتے ہیں کہ کس طرح آپ کی تنظیمی کوشش میں پارٹی بازی کا رنگ پیدا کر سکیں۔ لہٰذا اس صورت اور احتیاط کے پیش نظر بزموں کے باہمی نظم و نسق اور ربط و ضبط کے متعلق کچھ ہدایات منضبط کر دی گئی ہیں تا کہ ان سے مخلص رفقائے سفر کو راہ نمائی مل سکے، جو حضرات ان سے متفق ہوں وہ اپنے آپ کو بزم طلوع اسلام سے متمسک رکھیں جو یہ سمجھیں کہ اس سے ان کا دائرہ فکر و عمل تنگ ہو جائے گا وہ اپنی تگ و تاز کے لئے دوسرے میدان تجویز کر لیں، قرآنی فکر و عمل طلوع اسلام کی اجارہ داری نہیں جن کے دل میں اس کی لگن ہو وہ جو لائحہ عمل اور طریق کار اپنے لئے مناسب سمجھیں اختیار کر سکتے ہیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ جب تک کوئی شخص بزم طلوع اسلام سے وابستہ رہے اس کے لئے طلوع اسلام کی طرف سے نافذ کردہ ہدایات کی پابندی لازمی ہوگی۔ یہ صورت تو کسی کے نزدیک بھی قابل قبول قرار نہیں پا سکتی کہ آپ ممبر تو بزم طلوع اسلام کے ہوں اور اپنے فکر و عمل میں طلوع اسلام کے مسلک و مقصد اور ہدایات و ضوابط کے الٹ چلیں۔ اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھئے کہ جو شخص آپ کی پیش کردہ قرآنی فکر سے یکسر متفق نہ ہو اسے اپنے ساتھ رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں، آپ کی یہ تنظیم سیاسی جماعتوں کی تنظیم سے بالکل مختلف ہے، سیاسی جماعتوں کی تقویت کا راز ممبروں کی تعداد میں پوشیدہ ہوتا ہے وہاں ووٹ گنے جاتے ہیں، اور انہی کے شمار سے پارٹی کا مقام متعین ہوتا ہے اس لئے سیاسی جماعتوں کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ ان کی تائید میں ہاتھ اٹھانے والوں کو ہر قیمت پر اپنے ساتھ رکھیں، لیکن آپ کی تنظیم ہم آہنگیٔ فکر و نظر کی بنیادوں پر استوار ہے اس لئے جو شخص اس قرآنی فکر کو عام کرنے میں دل و جان سے آپ کے ساتھ شریک نہیں اسے باندھ کر ساتھ رکھنے سے کچھ حاصل نہیں، جو شخص آپ کی تحریک کا رکن بننا چاہے اس کے متعلق حتی الامکان تحقیق کر لی جائے کہ کس ذہنیت کا انسان ہے، یہ اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ آپ اس شخص کو جو آپ کے فارم ممبری پر دستخط کر دے ممبر بنالیں اور بعد میں اسے رکنیت سے خارج کرنا پڑے۔ خارج ہونے کے بعد وہ کبھی اس بات کا اعتراف نہیں کرے گا کہ اس کا اخراج اس کی کسی غلطی، کمی یا لغزش کی وجہ سے عمل میں آیا ہے وہ سارا الزام تحریک اور اس کے ارباب بست و کشاد کے سر دھرے گا۔ اگر آپ شروع ہی میں اس کا محاسبہ کر لیں اور اسے اپنی جماعت کا رفیق بننے کا اہل نہ سمجھیں تو پھر اس کے لئے آپ کے خلاف کسی پراپیگنڈہ کی گنجائش نہیں ہوگی بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کر کے آپ کے ساتھ شامل ہونے کے قابل بن جائے۔

طلوع اسلام کی بزمیں نہ سیاسی پارٹیاں ہیں نہ مذہبی فرقے۔ نہ ہی انہیں کسی سیاسی پارٹی یا مذہبی فرقہ سے تعلق ہوتا ہے اور نہ ہی یہ عملی سیاست میں حصہ لیتی ہیں۔ ان بزموں کا مقصد اس قرآنی فکر کی اجتماعی طور پر نشر و اشاعت ہے اور بس۔

Let us repeat, in a nutshell, the idiosyncrasies of Imam Abu Hanifa[R]

1. The only permanence in Deen are the canons and principles of the Quran.
2. Our Traditions have a historical value. We can get aid from them, but these cannot have a permanent place in our Deen.
3. In the light of the Quran's _principles, we must create our own jurisprudence *(fiqa)* by spiritual endeavours. These endeavours cannot be given a timeless value.

After this recapitulation, we will abate this issue by an extract from Imam Ahmad bin Hambal[R]. Wherein it is written:

> "Ibraheem Ho'bee said that Imam Abu Hanifa[R] has brought so many new things to our knowledge, that it would have been better to only chew water. One day, I asked from Imam Hambal[R] about Abu Hanifa[R], he replied with an expression of shock and said, 'It appears as though Abu Hanifa is writing a completely new Islam.' (Khateeb, page 413)

Thus is someone today, says the same *hadith* that Imam-e-Azam spoke of in those days and our ancestral worshippers dogmatized this individual of evolving a new kind of religion; it shall also not be something new on this earth. This has been going on since times immemorial…

^^^^^^^^^^^^^^^^^^^^

DARS-E-QURAN (IN URDU)

BAZM TOLU-E-ISLAM MANCHESTER (U.K)

EVERY **FRIDAY** FROM **8PM – 9PM**

AT

33 ST. GEORGES ROAD, FALLOWFIELD

MANCHESTER, M14 6SX

DARS-E-QURAN AUDIO AND VIDEO TAPES (URDU) AND ALL THE PUBLICATIONS BY ALLAMA PARWEZ ARE AVAILABLE IN OUR LIBRARY FOR LENDING.

PLEASE CONTACT:- MR. MEHFOOZ (0161 286 5496)

OR MR. R.QURESHI:- TEL & FAX NO. (01565 830278)

also true that I know these books better than all the people, from Abu Yousaf[R] I only listened *jama-e-sagheera.* (Khateeb)

HANAFI JURISPRUDENCE WAS NOT PERMANENT FOR ALL TIMES:

Concerning *hadith* you have read the ideas of Imam-e-Azam and his followers. After going over it, there arises another very interesting issue, and that is, did the Imam-e-Azam ever desire to proclaim his self created jurisprudence to remain unchangeable till the end of times? Now obviously, a thinker who does not even believe that the Messenger's decisions are unchangeable, how can he believe that his own verdicts can remain permanent? On this issue, we are in possession of historical evidence, that Abu Hanifa[R] emphatically resisted the notion of giving his spiritual endeavours a timeless value.

Nazar Bin Muhammad says that we often came to Imam Abu Hanifa[R] and accompanying us was a person from Sryia. When that Syrian was departing for home, he came to Abu Hanifa[R] for parting salutations. Abu Hanifa[R] asked, 'O Syrian! Will you be taking this jurisprudence literature along with you.' The Syrian replied in the affirmative. To which the Imam said, "Take care, you are taking a very big evil with you." (Khateeb, page 401) Mazahm bin Z'fr[R] says that he himself questioned Imam Abu Hanifa[R] as to what he wrote in his books and the decrees he granted, were all those the truth in which there was nothing left for ambiguity or suspicion? Imam Abu Hanifa[R] replied, "By God! I do not know. Quite possible that all this is fake and there is no doubt or margin left in its being fake—Imam Z'fr[R] says that we often visited Imam Abu Hanifa[R]. Whatever decisions he made we wrote them down. Imam Z'fr[R] writes that one day Imam Abu Hanifa[R] told Abu Yousaf, "Damn you Yacoob! Do not write down each and everything that you hear from me. I may form an opinion today which may possibly change or be shunned tomorrow." Abu Naeem[R] said that he heard Abu Hanifa[R] telling Abu Yousaf[R], not to copy my verdicts on various issues. By God! I have no idea whether I have erred or am I a victor.

Suhail bin Muzahm says that he often heard Abu Hanifa[R] reciting this ayaat:

فبشر عبادي الذين يستمعون القول فيتبعون

"O Messenger! Show the signs to those people, who listen and then act upon that which appears good to them." (Khateeb, page 352)

From the above extract of Imam Abu Hanifa[R], it is descried that he did not consider his *Fiqa* beyond error. How is it then possible for us to grant his works the rank of supernatural revelation. And taking them to be perfect, enact those laws, till the end of times.

****

IMAM ABU YOUSAF ACCUSED IMAM HANIFA OF LYING:

Muhammad bin Ishamael Bokhari has been quoted that Imam Abu Hanifa[R] said, 'Why are you all not shocked at Yacoob (Imam Abu Yousaf), he has accused me to telling lies that I have never spoken.'

Abu Naeem Fazl bin W'qeen says that he himself heard Abu Hanifa[R] telling Abu Yousaf, 'Damn you, you have spoken so much rubbish about me in these books that I have never even spoken.' (Khateeb)

Ibne abi Sha'ibeh and Ibne Mughlabi quotes Yahya bin Moeen that Abu Yousaf[R] had no perception of *hadith.* But still we consider him trustworthy. (Khateeb, page 259)

Ahmed bin Hambal[R] says that although I first took these *hadith* from Abu Yousaf[R], I do not narrate these *ahadith.* Nevertheless, he is very honest himself, one must not take any *hadith* from the followers of Abu Hanifa[R].

Abul Hassan asked about Abu Yousaf[R] from Imam Dar Kut'ni, to which he replied that Abu Yousaf[R] is comparatively more sturdy, nonetheless, he is like a lame person among the crippled. Imam Muhammad bin Ishmael Bokhari said that Yacoob bin Abrahim Abu Yousaf[R] Qazi has been outcasted from the circle of hadithists. (Khateeb, page 259-60)

Imam Ahmed bin Hambal[R] says that Yacoob Abu Yousaf[R] was among the *hadith* admirers, as to Abu Hanifa[R] and Muhammad bin Al'hassan[R] both were against the *hadith* of the Messenger. (Khateeb, page 179)

IMAM MUHAMMAD IS A LIAR:

Yahya bin Moeen was questioned about Muhammad bin Al'hassan[R], to which he replied that Muhammad bin Al'hassan is a liar. At another occasion he said that Al'hassan was old, sometimes he said that no one takes *hadith* from him, he is nothing. (Khateeb, page 180) Abu Dawood held the same views about Al'hassan that no *hadith* was taken from him and that he was worthless.

Imam Abul Hassan Dar K'tni said that Muhammad Ibnul Hassan[R] has been called a liar by Yahya bin Moeen[R] and Imam Ahmad bin Hambal[R]. As far as he was concerned, Abul Hassan was pardonable. (Khateeb, page 181)

Bsh'ar bin Al Waleed quotes Abu Yousaf[R] of saying, 'Just ask this liar Muhammad bin Al Hassan[R], that what he writes about me, has he ever heard those words from me. (Khateeb, page 180)

Yahya bin Moeen said that Muhammad bin Al'hassan[R] was questioned in front of me that the books which he wrote, has he ever heard them from Abu Yousaf[R]? Muhammad[R] swore upon God and replied in the negative. Nonetheless, it is

what to speak about his opinions and views, we cannot even trust any *hadith* of Abu Hanifa[R]. Hajjaj bin Ar'taat writes, "Who was Abu HanifaR? Who listened to Abu HanifaR? Abu Hanifa[R] was nothing?"

Ali bin Al'madeeni states that Abu Hanifa[R] was mentioned in front of Yahya Ibne Saeed Kt'aan, when someone was questioning him on one of Abu Hanifa's *hadith*. To that Yahya said, "Since when did Abu Hanifa[R] know anything on *hadith?*"

Muhammad bin Hamad Mukri writes that Yahya bin Moeen[R] was asked about Abu Hanifa[R], to which he replied, "How many *ahadith* did he have with him that you are asking me about him?" Abu Bakr Ibne Sha'zaan says that he was told by Abu Bakr Ibne abi Dawood, yesterday Abu Hanifa[R] copied 150 *ahadith*, half of them were discarded by him for errors.

IMAM ABU HANIFA WAS DISREGARDED:

Mo'el says that Abu Hanifa[R] was mentioned in front of Safyan Saur'ee. Saur'ee at that time was circumambulating around Ka'aba. He began to repeat the words, 'Abu Hanifa[R] is neither saint nor trusted' until he finished his round of Ka'aba. (Khateeb, page 415)

The above quoted views must be kept in mind while examining as to who formed these opinions and who are they talking about. Each one of these is considered a pillar of *hadith*. This was the decision of these pillars of Islam on Abu Hanifa[R] himself. Let us see what they have to say about his two famous followers Imam Abu Yousaf[R] and Imam Muhammad[R]. Before we read further, it must be emphasized here, in the whole of Hanafi sect, there has not been a single book authored by Abu Hanifa[R] that reached us. Whatever we know about him has been the courtesy of his two followers mentioned above.

IMAM YOUSAF UNDER SCRUTINY BY SCHOLAR IMAMS:

Abdul Razzaque bin Omar states that he was sitting with Abdullah Ibnul Mubarik, when someone asked him about a problem. Abdullah granted him a decree. The person said that he had asked from Abu Yousaf[R] on the same problem, but he did not give any decree against you. Abdullah then said to the man, 'If you have offered your prayer, in the leadership of Abu Yousaf[R], that you remember any, then you must go back and say those prayers again. (Khateeb, page 257)

Abda bin Abdullah Khorasani says that someone questioned Abdullah Ibnul Mubarik as to who was better between Abu Yousaf and Muhammad. Abdullah Ibnul Mubarik says, 'Do not say like this. You must rather ask as to which one of them is a bigger liar.' So the man said, 'Tell me?' Abdullah said, 'Abu Yousaf!'

Abdullah bin Idrees said, 'Abu Hanifa[R] was way-out and an extremely gone case. Abu Yousaf[R] was a weasel and a double crosser. (Khateeb)

Fazari said that he heard both Au'zaee and Sfyan say that nobody in Islam was more unfortunate than Abu Hanifa[R]. Imam Sha'afi has used the word 'the worst.' It was enquired from Qais bin Alzabea about Abu Hanifa[R]. He said that Abu Hanifa[R] was the most ignorant person of previous traditions and the wisest scholar of future laws. (Khateeb, page 498)

Um'rah bin Qais has said that whoever wishes to seek truth, he must look at Abu Hanifa[R] of Kufa. After that he must go against his sayings and quotes. Am'aar bin Zr'eeq said to oppose Abu Hanifa[R] and you will find truth. Bsh'ra said to oppose him and you shall see truth. By other means, we can say, blessed are those who oppose him. (Khateeb, page 408)

IT IS A CRIME TO MENTION ABU HANIFA IN MOSQUE:

Abu Ubaid said that he was sitting with As'wd Ibne Salm in the Jamia Mosque of Raza'fh. While discussing on a topic, it slipped out of my tongue that Abu Hanifa's views are thus. I was at once admonished by As'wd as to why I mentioned Abu Hanifa[R] in the mosque? And for this crime he did not speak with me till his death. (Khateeb, page 409)

Safyan quotes Hsh'aam bin Mr'wah, who got this *hadith* from his father. It states, among Bani Israelites matters were very balanced, until children, servants and maids became outrageous in number, and were now interfering in the system. These maids were already on corrupted paths, now they were taking others also in their sway. After this Safyan states, in Islam also public matters were very balanced. Not until Abu Hanifa[R] in Kufa, But'ee in Basra and Rabia ibne Abdur Rahman came to Medina and changed the patterns. (Khateeb, page 394)

HANAFI FIQA IS WORK OF DJ'AALS:

Ham duya bin Mukh'ld states that Muhammad bin Mus'lma Medeeni was asked as to why Abu Hanifa's views have become incessant conversations in all four corners and could not permeate into the vicinity of Medina. Muhammad bin Mus'lma replied, "The reason being, the Messenger told us that an angel is posted at every crossing in Medina, who stops Dj'aal from entering into Medina. Since this literature also is the work of Dj'aal, hence it could not permeate into Medina. (Khateeb, page 396)

IMAM ABU HANIFA[R] WAS DUMB AND ORPHAN IN MATTERS OF HADITH:

Ibne Is'haaq Trindi wrote that Abdullah Ibnul Mubarik said that Abu Hanifa[R] is illiterate as far as *ahadith* is concerned. Sr'eej bin Younas is quoted of having said that Abu Ktan writes, although we narrated *hadith* from Abu Hanifa[R], he was dumb in *hadith*. Ibne Numr said that I found the people unanimously conceded over the fact,

topic, the Messenger, his companions[R], about thirty *tabaeen*[R], including Saeed bin Jabeer, Saeed bin Al'mseeb, A'taa, Ta'uus, Ak'rmah and others have agreed unanimously that divorce is not possible before the marriage vows. Why would Abu Hanifa[R] say such a thing? (Khateeb, page 411)

Have you observed the approach towards *hadith* by the biggest legislator of Islamic jurisprudence? The laws enacted and made, or those attributed to him are being implemented in majority of the Muslim world. And nobody calls either the Imam-e-Azam a non-believer of *hadith*, or the Hanafi Muslims. Inspite of the fact, the intensity with which Imam Abu Hanifa[R] denies *ahadith*, it will be hard to find an example in any other non-believer of *hadith*.

EVEN MESSENGER WOULD HAVE CONSENDTED, IF I LIVED IN HIS DAYS:

Imam-e-Azam has supported his views by cogent reasons. According to him, the Messenger himself, while making laws, discussed the issues with his companions and adopted the views he considered best. After that he says, 'If I was living in the days of the Messenger, then I would also have participated in his advisory committee. I am confident that on numerous matters the Messenger would have taken my counsel.' Hence:

'Mahmood bin Musa said that I heard it form Yousaf bin As'baat, that Imam Abu Hanifa[R] use to say, 'If the Messenger had found me, and I had met him, on majority of issues he would have conceded to my views. I have heard Abu Is'haaq saying that Imam Abu Hanifa[R] opposed most of *ahadith* about the Messenger. (Khateeb history, page 287)'

We think nothing more needs to be said on this issue. In a nutshell, it means the central authority (chief executive of the Quranic State) in consultation with the representatives, takes decisions based on principles in the light of Quran that are called *'Islamic Sha'riah.'* And these decisions conform with the changing circumstances. It was because of this particular approach that Imam Abu Hanifa[R] was later taken for a non-believer. He was crowned with slurs, slighting remarks, decrees, gross and absurd jargon of accusals.

PRATE OF HADITH WRITERS:

Imam Malik bin Uns said that the virus of Abu Hanifa[R] was no less lethal than Satan's tentacles. In his doctrines. As well as in his denials of *ahadith*. Abdur Rahman bin Mehdi said, 'I cannot imagine, after the menace of Dj'all, any menace in Islam, bigger than that of Abu Hanifa[R]...' (Khateeb, page 396)

Suleman bin Hus'aan Hl'bee writes that Imam Au'zaee has often been heard saying that Abu Hanifa[R] has, one by one, brought down every battalion of Islam.

Bashar bin Mu'fazal says, he explained to Abu Hanifa[R], the saying of the Messenger of Allah, that Na'fay[R] has quoted from Ibn-e-Omar[R], 'The customer and owner cannot breach a contract or break a deal, once they have parted from each other.' To which Abu Hanifa[R] said, it was only a war song. I said that Ft'ada quotes from Hazrat Uns[R] that a Jew squashed the head of a Muslim girl between two stones. The Messenger did the same, in return to the Jew. Abu Hanifa replied that it was all rubbish. In the same way, someone quoted in front of him, Hazrat Omar's decision about succession. (ولاء) Abu Hanifa[R] replied, it was Satan's fabrication. (Abdul Warris has quoted the same). Yahya Ibne Adam says that a *hadith* was quoted, in front of Imam Abu Hanifa[R], of the Messenger stating, 'that *wadhu* is half faith!' Abu Hanifa[R] replied, 'In that case we must perform *wadhu* twice and complete our faith!' In the same way, Abu Hanifa[R] was told of the Messenger saying, 'to say, I do not know (لاادری) is half knowledge.' Abu Hanifa[R] replied, 'Then we must repeat, (لاادری) I do not know, twice and complete our knowledge.'

THE COMMANDS ARE HISTORY AND BYGONES:

Bashr Ibne As'ry states, 'I went to Abu Aw'ana and told him that I came to know, you have Abu Hanifa's book with you. Could you please get it out for me, as I want to study it myself. Abu Aw'ana replied, 'Son! I am glad you reminded me.' And he proceeded towards a trunk and took out a book from it. After shredding it to pieces, he threw it away. I was shocked and said, 'Have some mercy.' He said, 'One day I was sitting with Abu Hanifa[R] when the orderly of Sultan came to him and inquired about the punishment of stealing a honeycomb. Abu Hanifa[R] without any hesitation replied, if the price is ten *dirham,* then his hands must be cut off. When the orderly was gone, I said to Abu Hanifa[R], 'Do you not fear Allah[SWT]? I have been told by Yahya bin Saeed, who was told by Muhammad bin Haban, who was told by R'fay bin Khadeej that the Messenger said, "You cannot cut off hands on stealing flora and fauna." You must rescue the man immediately, otherwise; the Sultan's office will cut off his hand. Again Abu Hanifa[R] replied without hesitating, 'The decision has been taken and done with.' And thief's hand was cut off.

AQQIQA IS IGNORANCE:

Abu Bakr A'srm states that Abu Abdullah Ahmed bin Hambal[R] explained, in front of us, many *ahadith* of the Messenger, sayings of his companions[R] and *tabaeen*[R] on the topic of *aqqiqa* (distributing meat of sacrificed animal on the birth of a child). With a smile and amazed look, he said, 'But Abu Hanifa[R] thinks these are all acts of ignorant days.'

Muhammad bin Yousaf Bay'kundi says that Imam Ahmed bin Hambal[R] observed someone writing about Abu Hanifa[R] in which he said that it is possible to get divorced before the marriage vows are taken. Imam Ahmed pleaded, 'Muskeen! You think Abu Hanifa[R] does not live in Iraq, or that he is not a man of letters. On this

Imam Sufyan bin Ainee'ya states that I have not seen anybody more daring in matters of Allah[SWT] than Abu Hanifa[R]. I was quoting a *hadith* that Imam Abu Hanifa[R] came to know. 'Until the seller and the buyer do not part, that deal is breakable." ان البیعان مالخیار مالم یتفرقا Abu Hanifa[R] replied, "Tell me, if both are traveling in the same boat. If both are locked behind bars. Or if both are together on a journey. How will they separate, or how will they be able to close their deal."

IMAM-E-AZAM DISCARDS OVER 400 AHADITH:

Abu Saleh Farah writes that he heard Yousaf bin As'baat saying, 'Abu Hanifa[R] discarded more than 400 *ahadith* of the Messenger.' So I asked Yousaf, 'O Abu Muhammad[R]! Do you remember those *ahadith?* ' He replied in the affirmative. I requested him to tell me some of those *ahadith.*

Yousaf bin As'baat says, the Messenger said, 'Of the goods conquered in war, two parts belong to the horse and one part goes to the equestrian.' Abu Hanifa[R] said that he could not make one part of animal equal to one part of *momin.* They said that the Messenger branded the sacrificial animals with his spear. Abu Hanifa[R] said, 'Branding animals is deforming the animals. The Messenger said, 'Once the owner and consumer have departed, the contract or deal cannot be broken.' Abu Hanifa's views were, 'Once the deal is closed, it cannot be broken.' When the Messenger decided to go out of station, he would pick from a lottery drawing as to which one of his wives shall accompany him. His companions[R], they believe, did the same. But Abu Hanifa[R] says that lottery is gambling.

Abu Saeb says that he heard from the famous Imam of *hadith* called Wa'keeh, that Abu Hanifa[R] had opposed two hundred *ahadith.* Abdul Ali bin Hamad while quoting from his father Hamad bin Salma narrates, when Abu Hanifa[R] encountered *ahadith* of the Messenger of Allah, he discarded them by his own opinions. Imam Ahmad bin Hambal[R] has also written the same *hadith* of Hamad from Mu'wamal. (Khateeb, pages 390-91)

Abu Is'haaq Fazari said that he often went to Abu Hanifa[R] and questioned on matters relating to 'Jihad.' One day he asked him about a problem. When he heard his answer, he said the Messenger of Allah has said something else about this. To which Abu Hanifa[R] replied, 'Please excuse me from this crap.' Similarly, one day, he was questioned again on a problem to which he gave an answer. He repeated the same that the Messenger has said something different. Abu Hanifa[R] said, 'Take your note and rub it against the tale of a swine.' The actual Arabic words are فقال حک هذا بذنب خنزیر (Khateeb, page 387) Abu Hanifa[R] was told a *hadith* about a mutiny against the Sultan of the times. Abu Hanifa[R] replied that it was nothing but another fairy tale. Ali Ibne-e-Asim writes that he told a *hadith* of the Messenger to Abu Hanifa[R]. Abu Hanifa[R] refused to accept it. I insisted that it was the saying of Holy Prophet. He replied, 'Yes! And I refuse to accept.' (Khateeb, page 387)

Messenger, there was no speculation on these tenets. However, the primary and the most effective endeavour was made by Imam Abu Hanifa[R] who is known as 'Imam-e-Azam' in the Muslim *ummah*. And that is how he deserves to be addressed. He specialized in Islamic jurisprudence and excelled in it. The laws that were legislated by Imam are still being applied today. Even now, majority of Muslims follow the laws attributed to him. Nearly all of the Muslim scholars know the jurisprudence of Imam-e-Azam revolves around speculation. Speculation in this context means that we legislate laws by our own efforts, based on canons of the Holy Quran. The scholars are also aware of this fact that while legislating jurisprudence, Imam-e-Azam took very little from *ahadith*. This is not due to the fact that he could not procure the *ahadith*. According to some he was born in *hijra* 61, while others have it that he was born in *hijra* 80 and the year of his demise is *hijra* 150. It was much easier to access any *hadith* during these times, as compared to those times in which Imam Bokhari worked on them (i.e., in *hijra* 256). As far as recognizing the words of the Messenger of Allah are concerned, Muhammad bin Sum'aa says that he heard Imam Yousaf say, "I am inclined towards majority of *ahadith*. The fact is that Abu Hanifa's vision discerns more than mine. (History of Khateeb Baghdadi, page 340) The reason being that he neither considered *hadith* as the unchangeable revelation from Allah[SWT], nor beyond doubt. From beginning to the end, Imam-e-Azam built his structure of Deen on conviction. And this convincing Deen is concealed in the Quran.

Hence, Ali Ibnul Medinee quotes this parable from Abdul Razzaque saying, "laws sitting with an elderly person when Abdullah Ibnul Mubarik came and joined us. We heard the elderly person comment that he did not know of any other, who knows and contemplates more on Islamic jurisprudence, than Abu Hanifa[R]. And who else can explain more vividly the paths of emancipation of life in Islamic jurisprudence to the people than Abu Hanifa[R]. And who is more cautious than Abu Hanifa, as not to bring any ambiguities or suspicions in the Deen of Allah[SWT]. (Khateeb Baghdadi, page 339) In the light of Quran, with proposals from his advisors and his personal contemplative endeavours, he legislated the jurisprudence. Whenever anyone objected to his decision, on the basis of the Messenger's *hadith*, he would always tell him, like Hazrat Omar[R] said, "The Messenger of Allah's decision was according to his circumstances, times have changed now, for this reason that decision needs to be amended." Or he followed the words of Hazrat Aisha[R] and various other companions[R] of the Messenger who said, 'Who knows what the Messenger of Allah said, or how the listener comprehended? How can we, in the presence of the Quran, make these ambiguities part of Deen?' Since mostly he was inclined towards the fact, that *ahadith* of the Messenger of Allah are neither belief, nor are they unchangeable, this made him, on the heated discussions about *ahadith*, become very intense.

MAULANA MUNAZAR EHSON GILANI:

Late Maulana Gilani's book *'tadween e Hadith'* has some very significant portions, concerning *hadith* as history of the Messenger Muhammad[PBUH] and his disciples. He writes:

الصحيح المسند المختصر من امور رسول الله عليه وسلم و ايامه

"The most honored of all priests, in the art of hadith, Imam ul A'ima, Hazrat Imam Bokhari has named his book, from which if observed carefully, it can easily be understood that what I have said is nothing new for those who are interested in this art and having always looked at it from this angle. Imam Bokhari's book *(rahmat ullah alay)* is known today by the name of *'Bokhari Sharif'*. Actually this is not the real name of this book, he himself has called his book as,

The words *amoor* (امور) and *aya'am* (ايام) need attention. From this it is apparent that for Imam Bokhari the correct definition is prevalent over these *amoor* (chores), that are indirectly somehow attached with the personality of the Messenger Muhammad[PBUH], that has pervaded and influences the world, and given by Nature to humankind. However, if we put aside our argument on terminology and applying the proverb 'to examine the fruit from its tree', then after glancing over the treasure of *ahadith*, even a common mind can see that its correct definition is only that which Imam Bokhari has signaled in the name of his book and which I have explained." (*Tadween e Hadith*, pages 383-84)

In this he has elaborately explained that for Imam Bokhari[R] himself and for Maulana Gilani[R], Sahih Bokhari is a history of the Messenger[PBUH] and his times. The same situation belongs to other *hadith* books.

****

IMAM ABU HANIFA AND HADITH

Chapter 8

****

The name of Imam Abu Hanifa *(rahmat ullah alay)* needs no introduction in the circles of Islamic jurisprudence, where he is looked upon with high honor and great respect. In the opening chapter of this book, in context with Dr. Allama M. Iqbal, we mentioned about the views of Imam Hanifa[R] on *ahadith*. In the following pages we shall be giving you a detailed account on this topic.

==========

IMAM-E-AZAM OUGHT VERY LITTLE HELP FROM AHADITH:

In the light of canons of the Holy Quran, compiling the details of its tenets is called 'Islamic Jurisprudence' *(Fiqa)*. During the period of the companions of the

been revealed for all humankind. If we cannot impart that sort of knowledge to students in colleges (as in Arabic schools), how will we ever be able to teach non-Muslims. Now what are my obstacles in the Bokhari and why I cannot teach a New-Muslim European his books, these details I am not prepared to discuss openly. Those scholars who have completed the course or are near completion, I shall tell them orally." (page 285-87)

MAULANA HAMEED UD DIN FARAHI & SYED S. NADWI:

Maulana Hameed ud Din Farahi was a modern thinker on Quran. In his publication, "Nizam ul Quran", he writes about *hadith*. "It must be remembered that majority of our *ahadith* are 'old' and minority is authentic... *Hadith, Ij'maa* (unanimous agreement on any matter) and *Sahaf e Aula*, all three are open to doubt and speculation... I have read some traditions that completely uproot and extinguish the *ayaat*. Mostly scholars on *hadith* believe that whatever is written in the Bokhari and the Muslim is beyond doubt. Hence, we shall narrate those objectionable phrases, so that you may understand that Allah has given the rank of *'Rab'* (Almighty) to these scholars. Therefore, we are not prepared to believe in their irrational speculations."

In the Ma'aruf (of Azam Garh) magazine of February 1942, Allama Farahi and his student on Hadith, Maulvi Ameen Ehson Islahi wrote an article. The editor of Ma'aruf, the late Syed Sulaiman Nadwi, did not write any dissident note on it, which meant that he also conceded with their ideas. Let us read what they wrote in that summary:

"Secondly the Maulana is not in line with those, who take the traditions of the Bokhari and the Muslim beyond doubt. And this, what Maulana has written is not strange or new. Hafiz Ibne Hijr and Sheikh Abdul Haq also do not take these books beyond speculation. There is only one book, under the sun, that is above speculation." *(Marouf*, page 94-95)

After this he narrates:

"Hence, we must accept only those traditions that are in agreement and confirm the Quran. Whenever there is any difference between the Quran and Hadith, then the command حَكَمْ of the Quran shall prevail." *(Ma'aruf*, page 91-92)

It is written again:

"Here the Maulana has without doubt mentioned that there is ambiguity in *hadith*; this statement will hardly be denied by anyone." (*Ma'aruf*, page 90)

Voila! This matter of doubt in *ahadith* is no more between Allama Farahi, Maulvi Ehson Islahi or Syed S. Nadwi. According to them, this matter no one can even dare to deny!

forty *ahadith* that are testified as old. And Hafiz has no answer to this." (page 267)

In the margin it is written:

"Otherwise, the Hafiz Ibne Hijr has found about a hundred *ahadith* in Sahih Bokhari that have been suspended, and has also provided answers to resolve this predicament. But forty *ahadith* are so weak that he has no solution for it, which the Hafiz himself admits."

STANDARD OF CORRECT AND INCORRECT HADITH:

The policy of '*Mutashadud fil Hadith*' (intensity of *hadith*) category is that in the present collection of *ahadith*, the division of various *ahadith* has been marked. It does not need any kind of criticism. Whichever has been declared 'authentic' is true, and those that are 'old' shall remain weak (meaning not true). The old *ahadith* are only those that are believed in a conventional manner. In the light of the Quran, we believe, you cannot use your own mind.

Mr. Sindhi says:

"This hurdle that is prevalent over common minds, has a concealed ailment in its roots, that the art of *hadith*, especially the art of gleaning 'old and authentic' *ahadith*, is experienced in a traditional manner. It has become impossible if any scholar will ever have a mind to assess the authentic *ahadith*. If whoever does use his mind is dubbed an atheist. (Tolu-e-Islam.) The problem of defining *hadith* and debate over old *hadith* and other factors, do not allow the seeker of knowledge to concentrate and form his own opinion. After reaching a dead end, the constant policy of scholars adopted after differentiation, is that a seeker of knowledge terminates his search, when he has gained authority to separate the authentic from the old, according to *hadith* policies." (page 279) After gaining this authority, he becomes the director on Hadith. Whoever 'he' wishes is called a Muslim and whoever 'he' says becomes an atheist.

SOME AHADITH OF SAHIH BOKHARI:

As is known by now, in our hadith books there are those *ahadith* present that shake our whole being when these are attributed to the Messenger Muhammad[PBUH]. Let us read what Maulana Sindhi has to say on this:

"As my attention towards the Quran increased, the more it became difficult for me to explain some *ahadith* of the Bokhari to young minds; in the same ratio my previous faith has been incised. It has never convinced me, that knowledge of Deen when imparted to students of Arabic schools is always satisfactory. If the same knowledge is imparted to college students it is not satisfactory. If that is the case, then it is not true knowledge, as the Quran has

precites the book and attempts to transmit it. And secondly, inspite of the passing of a lengthy time span, to preserve the book and the capacity of the people to learn it all by heart. If these two factors are not present we cannot call it a Divine Book. It can be authored by a person, who by his own intents collected of Messenger's knowledge, as in the case of Sahih Bokhari and Sahih Muslim in our Deen." (page 225)

In the words of Maulana Sindhi[R], "To collect the deeds of the Messengers was also a convention in previous ages." (Page 265) Hence the Hadith books are actually history books and history has all types of traditions in it.

AMALGAMATION IN SAHA SITTA:

Maulana Sindhi writes:

"In the introduction of *'Mushqwa'at'* by Sheikh Abdul Haq Muhaddas Dehlvi, I read there are fifty or so Hadith books, in which there are both, authentic and non-authentic *ahadith* compiled. Mr. Sheikh has given them all the same status, as he does with Saha Sitaa's amalgamation of incorrect traditions with other books. This has put me under great stress." (page 268)

OLD TRADITIONS ARE REVIVED:

After talking of different categories of books, he writes, "Besides these, other *hadith* writers have also authored books, whose insight can be questioned. Historian *hadith* writers have compiled these incorrect traditions from non-established books by the name of *'Zawa'yat.'* Due to these, a menace has entered in the knowledge of *hadith.* In this treasure, there are numerous *ahadith* that are named 'old' by the second category of *hadith* writers. While the third, forth and fifth category writers take those *ahadith* and revive them."

After giving us an example of a *hadith*, he narrates:

"Trimzi declared this *hadith* 'old' (meaning it is not true). Now we will read what Hakeem says. He testifies this *hadith* by quoting from thirty or forty references. A layman, after looking at the testifications of this *hadith* and its popularity, is influenced to believe in its authenticity and the *hadith* is revived. We commenced our criticism on these traditions of Hakeem, with the help of *'Fateh ul Bari,'* and not a single one testified in its favour." (page 275)

OLD TRADITIONS OF SAHIH BOKHARI:

And after this he narrates:

"Every author makes few mistakes here and there. Even Imam Bokhari, who is considered to be the most convincing in his book Hafiz Ibne Hijr, pointed to

be our opinion, also. This *Sunnat* has to evolve from the Quran. In modern day terminology it is called "by-laws". The primary laws have been established. The by-laws of those times were different and the by-laws of today will be according to the changing conditions of the environment. The details of these by-laws depend on the upcoming needs of the scenario and are named as the *'Fiqa'*." (page 246)

Meaning of the above is that the Messenger Muhammad[PBUH] and the Caliphs, for the establishment of Allah's wisdom with mutual consultation and in the light of the Quran, devised some by-laws, that are called *Sunnat* or *Fiqa* of that period. These by-laws shall change with the times. But the real Law (Quran) shall remain in its primary state as permanent.

HADITH IS EQUAL TO THE BIBLE:

The Holy Quran has proclaimed the previous Holy books changeable. Those books are not in their original content, the conditions in which their respective *anbya* gave to their audience. It is known about the Bible of today that after Jesus Christ[PBUH]. It was compiled by his disciples. According to Maulana Sindhi the value of Hadith books is equivalent to the Bible. Obviously, when we do not recognize the Bible as the original words of Jesus Christ[PBUH], how can anyone affirm that *ahadith* contain the original words of the Messenger. He writes:

> "According to these people if the former holy books are given the rank of hadith books, they cannot be confirmed as authentic. If these people accept this fact then all our difficulties will be solved. (1) In these hadith books, a single parable has been explained by various ways of traditions. (2) In our hadith books there are also incorrect traditions. (3) In numerous hadith books, we find mistakes made by calligraphers that are being corrected by our scholars from time to time. After all this, if we place the Holy Bible along with our *'Sahiheen'*, one shall not be able to distinguish any difference." (pages 66-67)

We are also in the knowledge that *Wahi* (revelation) is nowhere outside of the Quran and that it is in complete form within the Holy Book. Just as the disciples of Jesus Christ[PBUH] by individual endeavours compiled his deeds and sayings, while writing his biography, in the same way Muslim scholars, historians and *hadith* writers compiled the history and ethos of Holy Messenger and his times. These biographies and history books are called *Ahadith*. Neither of these books are revelations, nor are these preserved like *Wahi* (revelation), that is the reason, just like the Bible books, they are not convincing. In the margin of Mr. Sindhi's articles is a note by Mr. Shah that we produce in the following translation from Persian:

> "Two things are compulsory, in order for it to be a Divine Book. Primarily the blessings of angels and to please and attract Allah, for every person who

THE STATUS OF HADITH...

AHADITH THROUGH SAGACIOUS MINDS

Chapter 7

Translated By

Aboo B. Rana

****

THE VALUE OF HADITH:

The value of *ahadith* has been discussed at length, as in the eyes of Allama Iqbal[R], in the opening chapter of this book. The idiosyncrasies of Imam Abu Hanifa[R] and Shah Wali Ullah[R] were also brought to surface (as explained by Allama Iqbal). In the same context, we would like to bring forth thoughts of a few erudite minds to your attention.

ALLAMA OBAIDULLAH SINDHI[R]:

Shah Wali Ullah Muhaddas *(rahmat ullah alay)* Dehlvi's name needs no introduction. And Maulana Obaidullah Sindhi is known for his explanations, thoughts and transmission of the wisdom of *Wali Ullah* (representative of Allah). He wrote an article (about 1941 A.D.) in a magazine called 'Al Furqa'an,' in its *'Wali Ullah'* number. In that he explained the value of hadith as examined by a *Wali Ullah* (representative of Allah). We are giving you some gists of this article.

"In the chapter entitled, 'The Correct Position of Hadith,' that you read in the previous pages you must have noticed that *ahadith* are of two kinds. One sort belongs to the situation and condition of the Messenger, while the other is about the tenets of Deen. As far as applying of this Deen is concerned, obviously, it is of utmost significance. It is said, as the laws of the Quran are immutable, in the same way the laws of Hadith are also permanent, and they have to be perpetually enacted upon. Now let us read, what Maulana Sindhi (in the light of wisdom of *Wali Ullah* (representative of Allah) has to say on this issue. He writes, "It is obvious when the primary laws are enacted upon, for the sake of public, we also make some introductory laws. The only difference being, that primary laws are immutable, while the introductory laws may be changed with the needs. These introductory laws or by-laws, we call *Sunnat,* as they were legislated by the Messenger and after him, by the Caliphs, who devised them in consultation with their central advisory committee. After Ottoman Caliphate, this procedure of consultation was annulled. *Sunnat* is conceded by our Hanafi faction of the Messenger and the Caliphates. This happens to

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL AND QUAID-E-AZAM®

R.L.No. CPL-22
VOL:55
ISSUE 03

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, PAKISTAN
Phone: 5714546, 5753666 Fax: 5866617
Email: idara@toluislam.com
Web Site: http://www.toluislam.com/

AMBER®

We are ISO 9001 certified!!

AMBER Range of Products:

Capacitors for Motor Start-Run, Fans, Blowers, Air Conditioners, Fluorescent Lamps, High Pressure/High Intensity Discharge Lamps, and, Power Factor Correction.

CUSTOMER SPECIFICATIONS ARE WELCOME!!

Amber Capacitors Limited
16-Link Mcleod Road, P. O. Box 468, Lahore, PAKISTAN.

Phone: +92 42 722 5865, 722 6975
Fax: +92 42 723 2807, 586 6617
Web Site: http://ambercaps.com/
Email: amber@ambercaps.com